جمادی الاخریٰ–رجب المرجب 1445ھ | جنوری–فروری 2024ء
شمارہ-76

نصرۃ میگزین

اے پاکستان کے معزز علمائے کرام! غزہ جل رہا ہے اور پاکستان کے حکمران خاموش تماشائی بنے اسے جلتا دیکھ رہے ہیں، آپ پر لازم ہو چکا ہے کہ غزہ کے مسلمانوں کی مدد اور فلسطین کی آزادی کے لیے، افواجِ پاکستان کو جہاد کے لیے واشگاف پکاریں

دو ریاستی حل مسلمانوں کے ساتھ غداری اور یہودیوں کے فلسطین پر غلبے کو تسلیم کرنا ہے

آج کے بعد اس نئی صلیبی جنگ، جسے صیہونیت کہا جاتا ہے، اس کے متعلق کسی مسلمان یا غیر مسلم کے لیے کوئی عذر نہیں ہے

ڈنڈے کے زور پر اکثریت کی حکمرانی کے نفاذ اور قومیت پر مبنی سیاست نے بلوچستان میں انسانی، سیاسی اور سیکورٹی بحران پیدا کر دیا ہے

فہرست

اداریہ: غزہ نے حقیقت پر سے پردہ اٹھادیا ہے 3

تفسیر سورۃ البقرۃ۔(252) 8

تکبر کی عالمی وبا کے خلاف اسلام کا حل 9

آج کے بعد اس نئی صلیبی جنگ، جسے صیہونیت کہا جاتا ہے، اس کے متعلق کسی مسلمان یا غیر مسلم کے لیے کوئی عذر نہیں ہے 29

اُسید بن حضیرؓ 36

جمہوری مغرب میں سیاسی عوام پرستی (Populism) کے عروج کی نشانیاں 42

پاکستان کے گمشدہ قبائل 52

ایک سچے مومن کا دِل 59

اے پاکستان کے معزز علمائے کرام! غزہ جل رہا ہے اور پاکستان کے حکمران خاموش تماشائی بنے اسے جلتا دیکھ رہے ہیں، آپ پر لازم ہو چکا ہے کہ غزہ کے مسلمانوں کی مدد اور فلسطین کی آزادی کے لیے، افواجِ پاکستان کو جہاد کے لیے واشگاف پکاریں 63

حقوق نسواں سے لے کر مابعد جنسیت تک (حصہ دوئم) 67

سوال وجواب: جمہوری انتخابات پر نظر رکھنے میں شمولیت پر حکم شرعی 85

سوال وجواب: اسلام میں کمپنی ایک کارپوریٹ باڈی نہیں ہے 88

سوال کا جواب: قیمت کی اقسام 95

میڈیا پیغام: ڈنڈے کے زور پر اکثریت کی حکمرانی کے نفاذ اور قومیت پر مبنی سیاست نے بلوچستان میں انسانی، سیاسی اور سیکورٹی بحران پیدا کر دیا ہے 101

اداریہ: غزہ نے حقیقت پر سے پردہ اٹھا دیا ہے

7 اکتوبر، 2023 سے اب تک ان طویل اور درد بھرے ہفتوں کے دوران غزہ نے حقائق آشکار کر دیئے اور باطل کو عیاں کر کے رکھ دیا۔ اس عرصہ نے اہلِ غزہ، بحیثیتِ مجموعی مسلم امت اور دنیا بھر میں منصف مزاج غیر مسلموں کے بارے میں سچائی کو کھول دیا۔ غزہ نے صیہونی وجود کی، مغربی طاقتوں کی جو کہ اس صیہونی وجود کی حمایت کرتی ہیں اور اس یہودی وجود سے اشتراک کرنے والے مسلم حکمرانوں کی حقیقت بے نقاب کر کے رکھ دی۔ یہ سب حقائق نمایاں طور پر عیاں کرتے ہوئے، غزہ نے مسلم امت اور اس کی افواج کو یہ راہ دکھلا دی ہے کہ اب کیا کرنا ضروری ہے۔

غزہ نے اپنے عوام میں موجود خیر کو واضح طور پر ظاہر کر دیا ہے۔ غزہ کے لوگ شدید ترین نقصان ہونے پر بھی نہایت صابر و شاکر ہیں۔ وہ اس انتہائی جارحیت کے سامنے دلیر اور نڈر ہیں۔ وہ ان شدید آزمائشوں کا شکوہ بھی نہیں کرتے۔ وہ دوسروں کو تسلی دینے کے لئے مسکراتے ہیں جبکہ وہ خود دکھ و آلام کا شکار ہوتے ہیں۔ وہ شدید ترین قلت اور فاقہ کشی کے باوجود بھی ایک دوسرے میں کھانا بانٹتے ہیں۔ وہ اپنا اس قدر بھاری نقصان کے ازالے کے لئے بھی صرف دعا کے لئے ہی ہاتھ اُٹھاتے ہیں۔ غزہ کے لوگوں نے اللہ جل شانہ کے مقرب بندے ہونے کی جستجو میں اپنے ایمان کی طاقت سے پوری دنیا کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ بے شک، جب اللہ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو وہ اسے آزمائش میں ڈالتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **«إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ إِذَا أَحَبَّ قَوْمًا ابْتَلَاهُمْ فَمَنْ صَبَرَ فَلَهُ الصَّبْرُ وَمَنْ جَزِعَ فَلَهُ الْجَزَعُ »** **"جب اللہ کسی قوم سے محبت کرتا ہے تو وہ انہیں آزمائش میں مبتلا کرتا ہے۔ پس جو اس پر صبر کرتا ہے تو اسے صبر عطا کر دیا جاتا ہے۔ اور جو اس پر جزع فزع کا اظہار کرتا ہے، تو اس کے لئے جزع فزع ہے"** (احمد نے محمود بن لبید سے روایت کیا)۔

غزہ نے امت میں موجود خیر کو ظاہر کر دیا ہے۔ دنیا بھر کے مسلمان اہلِ غزہ کے مصائب پر درد سے بے چین ہیں۔ وہ اپنی طرف سے وہ سب کچھ کر رہے ہیں جو وہ کر سکتے ہیں۔ وہ اپنے رب سے ہاتھ اُٹھائے اس قدر دعائیں مانگ رہے ہیں کہ ان کے بازو شل ہو چکے ہیں۔ وہ صدقات و خیرات دیتے ہوئے اپنے گھروں تک کو خالی کر رہے ہیں۔ وہ دشمن کا بائیکاٹ کرتے ہوئے اسے کافی حد تک نقصان پہنچا رہے ہیں۔ مسلمان سرحدوں کو کھول دینے کا مطالبہ کر رہے ہیں، تاکہ وہ اپنے بیٹوں کو وہاں بھیج سکیں۔ مسلمان مطالبہ کر رہے ہیں کہ ان کی افواج کو حرکت میں لایا جائے۔ یقیناً مسلمان ایک جسمِ واحد کی طرح ہیں جو کہ ایمان سے جڑے ہوئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **« تَرَى الْمُؤْمِنِينَ فِي تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكَى عُضْوًا تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ جَسَدِهِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمَّى» ''تم مومنین کو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ رحمت و محبت کا معاملہ کرنے اور ایک دوسرے کے ساتھ نرم خوئی میں ایک جسم جیسا پاؤ گے کہ جب اس کا کوئی بھی عضو تکلیف میں مبتلاء ہوتا ہے تو سارا جسم تکلیف میں ہوتا ہے، اس کی نیند اُڑ جاتی ہے اور جسم بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے''۔**

غزہ نے دنیا کے منصف مزاج لوگوں میں اسلام سے اثر کو قبول کرنے کی صلاحیت ظاہر کر دی ہے۔ بہت سے غیر مسلموں نے غزہ کے لوگوں کے ساتھ ہونے والی ناانصافی پر اپنے غم و غصے کا کھل کر اظہار کیا ہے۔ بہت سے لوگ اب صیہونیت اور یہودیت کے درمیان فرق کرنے لگے ہیں۔ بہت سے لوگ غزہ کے مسلمانوں کے صبر سے انتہائی حد تک متاثر ہوئے ہیں اور ان میں سے بعض نے تو اس قدر صبر کے مصدر کو تلاش کرنا شروع کر دیا ہے۔ ان میں سے بعض لوگ اسلام کو گلے لگا چکے ہیں اور امت مسلمہ نے ان کا گرمجوشی سے خیر مقدم کیا ہے۔ آج اسلام کے حوالے سے یہ مقبولیت ایک ایسے دور میں ہو رہی ہے جب کہ اسلام کو نافذ کرنے والی کوئی ریاست موجود نہیں ہے۔ تو ذرا سوچئے کہ اس وقت کیا عالم ہو گا جب اسلام کا ایک ریاست کے ذریعہ نفاذ کیا جائے گا، اور اسلام اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ مکمل شان سے نظر آتا ہو گا؟ ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **«إِنَّ اللَّهَ زَوَى لِيَ الأَرْضَ فَرَأَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا وَإِنَّ أُمَّتِي سَيَبْلُغُ مُلْكُهَا مَا زُوِيَ لِي مِنْهَا» ''اللہ تعالیٰ نے زمین کو میرے لئے سمیٹ دیا تو میں نے اس کے مشرق اور مغرب کو دیکھا اور جہاں تک زمین میرے لئے سمیٹ دی گئی تھی وہاں تک عنقریب میری امت کی حکومت پہنچ کر رہے گی''۔ (مسلم)**

غزہ نے صیہونی وجود، اس کی بربریت اور اس کی نفرت بھری عداوت کے ساتھ ساتھ اس کی کمزوری اور بزدلی کی بھی قلعی کھول کر رکھ دی ہے۔ یہودی وجود نے اپنی نفرت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور ہر قسم کے سنگین جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ اس نے معصوم بچوں تک کو اسنائپرز سے نشانہ بنایا، بالکل اسی طرح جیسے اس نے بمباری سے اسپتالوں کو بھی نشانہ بنا ڈالا۔ پہلے پہل تو یہودی وجود کے جرائم کو امریکہ کی طرف سے گھڑے گئے جھوٹ اور حیلے بہانوں کے پردے سے ڈھانپا گیا اور پھر تو اس خبیث وجود نے بغیر کسی عذر کے ہی اپنے جرائم کا ارتکاب کرنا شروع کر دیا۔ یہودی وجود اس قدر بے رحمی اور سفاکی کے ساتھ قتل وغارت گری کرتا ہے اور کسی بھی قسم کے ان "اخلاقیات" یا "اصولوں" یا "انسانیت" سے مکمل طور پر عاری ہے جو ضوابط انسانوں نے عمومی طور پر جنگ کے لیے اپنا رکھے ہیں۔ بیشک اس خبیث وجود کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا قول بالکل برحق ہے؛ ﴿**لَا يَرْقُبُونَ فِي مُؤْمِنٍ إِلًّا وَلَا ذِمَّةً ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُونَ**﴾ **"کسی مسلمان کے حق میں قرابت کا بھی لحاظ نہ کریں اور نہ عہد کا، اور وہی ہیں زیادتی پر"** (التوبۃ؛9:10)۔ یہ سب اس حقیقت کے علاوہ ہے کہ غزہ نے قابض افواج کے بودے پن کو بے نقاب کر دیا۔ ان کے پاس موجود جدید ہتھیاروں کے باوجود، بزدل صیہونی فوجیوں کا جتھہ معمولی اسلحہ رکھنے والے لیکن دلیر اور نڈر مجاہدین کے چھوٹے سے گروہ کو زیر کرنے میں ناکام رہا۔ تو اس وقت اس وجود کی کیا حالت ہو گی جب اسے صرف کسی ایک مسلمان فوج کا سامنا کرنا پڑے گا؟

غزہ نے صیہونی جارحیت کی حمایت کرتی مغربی حکومتوں کی حقیقت سب کے سامنے عیاں کر دی ہے۔ صیہونی ریاست جھوٹے اور منافق مغرب کے سامنے اپنی بربریت کا ارتکاب کرتی رہی ہے۔ انسانی حقوق، خواتین کے حقوق، بچوں کے حقوق اور جانوروں کے حقوق کے حوالے سے پرچار کرنے والے مغرب کی قلعی واضح طور پر کھل کر سامنے آ گئی۔ نیز یہودی وجود امریکہ کے میڈیا پر وپیگنڈے، فنڈنگ اور اسلحہ کی فراہمی کے ذریعے امریکہ کی فعال شرکت اور حمایت کے ساتھ امریکی ایماء اور شہ سے ہی مسلمانوں کا قتل عام کرتا رہا ہے۔ 8 دسمبر 2023ء کو جنگ بندی کے لئے اقوامِ متحدہ کی مجوزہ قرارداد کے خلاف امریکہ کی شرکت اس کے ویٹو کر دینے سے کسی طور کم نہیں ہے۔ یہ سب امریکہ کی جانب سے بدنیتی پر مبنی دو ریاستی حل کی حمایت سے کم نہیں ہے۔ یہ ایک ظالمانہ امریکی منصوبہ ہے جس کا مقصد

"فلسطینی ریاست" کی آڑ میں ایک غیر مسلح اور معمولی سے وجود کو چھوڑتے ہوئے اس مبارک سرزمین کا زیادہ تر حصہ اس کے جارحانہ قابضین کے حوالے کرنا ہے۔ بے شک مغربی حکومتیں اور یہودی وجود ویسا ہی ہے جیسا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ﴾ "اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوست مت بناؤ، وہ آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں" (المائدہ؛ 5:51)

غزہ نے مسلمانوں کے حکمرانوں کی اصلیت آشکار کر دی ہے۔ یہاں تک کہ جب یہودی وجود نے ہسپتالوں اور اسکولوں تک کو بمباری سے مسمار کر ڈالا، تب بھی اردن کی حکومت نے یہودی وجود کو ضروری امریکی رسد کی فراہمی جاری رکھنے کے لئے اپنی فضائی راہداری کی فراہمی برقرار رکھی۔ متحدہ عرب امارات (یو اے ای) نے دبئی اور حیفہ کی بندرگاہوں کے درمیان ایک زمینی راہداری چلانے کے معاہدے پر دستخط کیے ہیں، جو سعودی عرب اور اردن کے علاقے سے گزرتا ہے، جس کا مقصد بحری گزرگاہوں کو درپیش خطرات سے بچاؤ کرنا ہے۔ بجائے اس کے کہ مسلمانوں کے حکمران دنیا کے بحری، زمینی اور فضائی راستے منقطع کر دیتے، تیل کی سپلائی روک دیتے اور غزہ میں جاری خونریزی روکنے کے لیے اپنی پوری طاقت استعمال کرتے جبکہ وہ ایسا کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں، انہوں نے یہودی وجود کو یہ سب سہولیات جاری رکھیں۔ مصر نے رفح بارڈر کراسنگ کو بند کئے رکھا ہے، حالانکہ اس کی فوج غزہ کے مسلمانوں کی مدد کرنے کے لئے مکمل راضی ہے اور مکمل صلاحیت رکھتی ہے۔ جہاں تک پاکستان اور ترکی کے حکمرانوں کا تعلق ہے تو وہ واشنگٹن کے مفادات کے لیے تو دنیا بھر میں اپنی افواج کو بھیج دیتے ہیں، پھر بھی انہوں نے تڑپ رکھنے والے اور قابل فوجیوں کو اشد ضرورت کے اس وقت میں غزہ کی مدد کرنے سے روکے رکھا ہے۔ غزہ کے مسلمانوں اور مسلم امت کو ناکام کر دینے کے بعد، یہ غدار حکمران اب ایک اور غداری کا نفاذ کرنے پر کام کر رہے ہیں، جو کہ 'امریکی دو ریاستی حل' ہے۔ اور یہ غدار حکمران یہ سب حرکتیں کرتے ہیں حالانکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ، ﴿إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَلَى إِخْرَاجِكُمْ أَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾ "اللہ تمہیں ان سے دوستی کرنے

سے منع کرتا ہے جنہوں نے تم سے تمہارے دین کی وجہ سے لڑائی کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا اور دوسروں کو ایسا کرنے میں مدد کی؛ اور جو کوئی ایسوں سے دوستی کرے، پس وہ ظالموں میں سے ہیں" (الممتحنہ؛60:9)

غزہ نے سب کچھ منکشف کر کے رکھ دیا ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سامنے اپنی ذمہ داری پوری کر دی ہے۔ اب یہ ہم پر منحصر ہے کہ ہم اس بات کو یقینی بنائیں کہ ہم اپنی ذمہ داری میں پیچھے نہ رہیں۔ غزہ نے ہمیں صحیح صورتحال دکھلا دی ہے اور آگے بڑھنے کا راستہ بھی دکھا دیا ہے۔ غزہ کے مسلمان بہت ہی اچھے اور نیک ہیں۔ امت مسلمہ اپنے دین کی راہ پر چل پڑی ہے۔ غیر مسلموں کی ایک بڑی تعداد ہے جو ایک طرف تو یہودی وجود اور اس کی حمایت کرنے والی مغربی حکومتوں کی ناانصافی کو دیکھ سکتے ہیں اور دوسری طرف مسلمانوں کے بہترین ارادوں اور برتاؤ کو دیکھ سکتے ہیں۔ یہودی وجود ایسی قوم نہیں ہے جو معاہدوں اور وعدوں کا احترام کریں۔ مغربی حکومتیں وہ ہیں جو مسلمانوں کے خلاف کھلی جنگ میں یہودی وجود کی حمایت کر رہی ہیں۔ اسلام اور مسلمانوں کی مدد کرنے کے لئے آگے بڑھنے والی افواج کی راہ میں مسلمانوں کے حکمران ہی واحد رکاوٹ ہیں۔ اب آگے بڑھنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے۔ امت اور اس کی افواج کو مسلمانوں کے حکمرانوں کو لازمی ہٹانا ہوگا۔ تبھی امت مسلمہ اپنے دشمنوں کو اپنی سرزمین سے پیچھے ہٹنے پر مجبور کر سکتی ہے۔ لہٰذا امت کو چاہئے کہ وہ اپنی افواج سے مطالبہ کرے کہ وہ نبوت کے طریقے پر خلافت کے قیام کے لئے حزب التحریر کو اپنی نصرہ فراہم کریں۔ آئیں اور غزہ کی تباہی کے اس سانحے کو، 1924ء بمطابق 1342 ہجری میں ہونے والے خلافت کے انہدام کے بعد کا آخری باب بنا دیں۔

فہرست

تفسیر سورۃ البقرۃ۔(252)

جلیل القدر عالم دین شیخ عطاء بن خلیل ابو الرشتہ کی کتاب "التیسیر فی اصول التفسیر" سے اقتباس

﴿تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ وَ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ﴾

"یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو ہم تمہیں ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سناتے ہیں، اور تم بیشک رسولوں میں سے ہو"

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی صداقت پر دلالت کرنے والے جو احکام اور آیات آپ ﷺ پر نازل کیں، مذکورہ آیت کریمہ کے ذریعے اللہ سبحانہ نے ان احکامات کا اختتام فرمایا ہے۔

قرآن کریم کی آیات میں کوئی بھی شخص اس انداز سے غور وتدبر کرے گا، کہ اس کی زبان اور اسلوب معجزہ ہے، اور یہ کہ ان آیات میں دی گئی غیب کی وہ خبریں جن کو جاننے کا ذریعہ صرف وحی ہے، بالکل سچ ہیں، اس کے ساتھ ساتھ وہ فطرت اور عقل کے عین مطابق ایمان بھی رکھتا ہو جس کی طرف یہ آیات دعوت دیتی ہیں، پھر یہ کہ قرآن کی آیات جن احکامات اور خبروں پر مشتمل ہیں، ان میں کوئی اختلاف نہیں۔ تو یہ سب رسول اللہ ﷺ کی صداقت پر شاہد عدل ہیں اور یہ کہ وہ اللہ کے رسولوں میں سے ایک رسول ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی طرف اس لیے بھیجا تاکہ ان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنیوں کی طرف لے جائیں، ﴿ وَ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ **"اور آپ ﷺ رسولوں میں سے ہیں"۔**

فہرست

تکبر کی عالمی وبا کے خلاف اسلام کا حل

محمد نوید، ولایہ پاکستان

تعارف: مغربی تہذیب کے تحت تکبر کی افزائش

مغربی تہذیب کے ظہور اور اس کے نظریات کے پھیلاؤ کے بعد سے فکری گفتگو عالمی سطح پر زوال کا شکار ہے۔ اپنی بنیاد ہی سے مغربی نظریات کھوکھلے اور کرپٹ ہیں۔ معاشرے اور عوام پر ان نظریات کے اثرات انتہائی نقصان دہ ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ لوگ ظاہری طور پر تو دنیاوی دولت کے مالک ہوتے ہیں اور سب سے زیادہ طاقتور نظر آتے ہیں لیکن اندر سے غریب اور کمزور ہوتے ہیں۔ نفرت، حرص، حسد اور تکبر ان میں عام ہوتا ہے اور اسی وجہ سے ان کی زندگی پست ہوتی ہے، اور ذہنی دباؤ، اضطراب اور دیگر نفسیاتی مسائل دور دور تک پھیلے ہوئے ہیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہمیں اسلام کی نعمت ان باطل نظریات سے نمٹنے کے لیے دی ہے اور اس طرح معاشرے میں لوگوں کو درپیش مسائل کو حل کیا جا سکتا ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا، ﴿**وَلَوْلَا دَفْعُ ٱللَّهِ ٱلنَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ ٱلْأَرْضُ**﴾ **"اور اللہ لوگوں کو ایک دوسرے (پر چڑھائی اور حملہ کرنے) سے ہٹاتا نہ رہتا تو زمین میں فساد برپا ہو جاتا"**۔ (البقرۃ، 2:251)

اس لیے ہمیں مغربی تہذیب کے ان باطل اور کرپٹ افکار و افعال کو بے نقاب کرنا چاہیے، تاکہ مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ کفار نے ان کے لیے کیا منصوبہ بنایا ہے اور اسلام کے خلاف کیا منصوبہ بندی کی گئی ہے۔ یہ عمل اس بات کو یقینی بنائے گا کہ مسلمان اپنے دین کو مضبوطی سے پکڑیں گے اور رسول اللہ ﷺ کی تقلید کرتے ہوئے نبوت کے نقش قدم پر خلافت کو دوبارہ قائم کرنے کے لیے پوری جانفشانی سے کام کریں گے، اور اس طرح خلافت اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے نازل کردہ کے مطابق حکمرانی کا قیام ان کے ہاتھوں انجام پذیر ہو گا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا، ﴿**هُوَ الَّذِيٓ أَرْسَلَ رَسُولَهُۥ بِٱلْهُدَىٰ وَدِينِ ٱلْحَقِّ لِيُظْهِرَهُۥ عَلَى ٱلدِّينِ كُلِّهِۦ وَلَوْ كَرِهَ**

الْمُشْرِكُوْنَ﴾ "وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ اس (دین) کو (دنیا کے) تمام ادیان پر غالب کرے، اگرچہ مشرکین ناخوش ہی ہوں"۔(التوبہ، 9:33)

ایسی ہی ایک کوشش اس مضمون میں لوگوں پر، بالخصوص مسلمانوں پر، مغربی تہذیب اور اس کے نظریات کے پڑنے والے اثرات کا مقابلہ کرنے کے لیے کی گئی ہے۔ اس مضمون میں ہم معاشرے میں تکبر کے مسئلے کا جائزہ لیں گے۔ ہم سمجھیں گے کہ تکبر کا موجودہ مسئلہ کس طرح مغربی نظریات سے جڑا ہوا ہے اور اسلام اس مسئلے کو کس طرح حل کرتا ہے۔

تکبر کیا ہے؟

رسول اللہ ﷺ نے تکبر کو ایک حدیث میں "بطر الحق" اور "غمط الناس" کے طور پر بیان کیا ہے، **«لا يدخل الجنة من كان في قلبه مثقال ذرة من كبر" فقال رجل" إن الرجل يحب أن يكون ثوبه حسناً ونعله حسناً؟ قال: إِنَّ اللَّهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ، الْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمَطَ النَّاسَ » "وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہو، ایک آدمی نے کہا: 'اگر آدمی یہ پسند کرے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں اور اس کے جوتے اچھے ہوں؟' آپ ﷺ نے کہا: اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے۔ اور خوبصورتی سے محبت کرتا ہے۔ تکبر کا مطلب ہے حق کو جھٹلانا (بطر الحق) اور لوگوں کو حقیر دیکھنا (غمط الناس)"۔**(مسلم)

مذکورہ بالا حدیث میں بطر الحق کی وضاحت کرتے ہوئے چند علمائے کرام نے اس بارے میں اپنی رائے دی کہ نبی ﷺ نے تکبر کی تعریف کیسے کی ہے۔

1۔ امام شوکانیؒ نے اس حدیث میں مذکور بطر الحق (حق کا انکار) کے بارے میں کہا ہے کہ، **هُوَ دَفْعُهُ وَإِنْكَارُهُ تَرَفُّعًا** "اس کا مطلب ہے اس کا رد کرنا اور تکبر کے ساتھ انکار کرنا"۔

2۔امام نوویؒ نے فرمایا،**وَتَجَبُّرًا** "متکبرانہ و ظالمانہ انداز میں (ایسا کرنا)"۔

3۔القاموس المحیط (نہایت اعلیٰ و مستند لغت) بطر الحق کے متعلق بیان کرتی ہے: **الْحَقُّ أَنْ يَتَكَبَّرَ عِنْدَهُ فَلَا يَقْبَلُهُ**" کہ وہ سچائی کو قبول کرنے میں بہت متکبر ہے"۔

4۔امام نوویؒ نے حدیث کے لفظ "غمط" کو اس طرح بیان کیا:**احْتِقَارُ النَّاسِ**"لوگوں کو حقیر سمجھنا"۔

5۔امام غزالیؒ نے اپنی کتاب "احیاء العلوم الدین" میں فرمایا، اعْلَمْ أَنَّ الْكِبْرَ يَنْقَسِمُ إِلَى بَاطِنٍ وَظَاهِرٍ فَالْبَاطِنُ هُوَ خُلُقٌ فِي النفس والظاهر هو أعمال تصدر عن الجوارح واسم الكبر بالخلق الباطن أحق وأما الأعمال فإنها ثمرات لذلك الخلقوخلق الكبر موجب للأعمال ولذلك إذا ظهر على الجوارح يقال تكبر وإذا لم يظهر يقال في نفسه كبر فالأصل هو الخلق الذي في النفس "تکبر دو طرح کا ہوتا ہے، ظاہری اور باطنی۔ باطنی تکبر (لوگوں پر) احساس برتری کا نام ہے۔ جب یہ (باطنی تکبر) اعمال سے ظاہر ہوتا ہے تو اسے ظاہری تکبر کہا جاتا ہے۔ ذہن میں برتری کا احساس کبر کہلاتا ہے۔ جب اس کا اظہار اعمال سے ہوتا ہے تو اسے تکبر کہتے ہیں۔ پس تکبر کی جڑ اور اصل پوشیدہ کبر ہے"۔

جدید تکبر کی جڑ کیا ہے؟

مغربی تہذیب کے زیر اثر تکبر کیسے پروان چڑھتا ہے؟ سرمایہ دارانہ مغربی عقیدہ خود ہمارے معاشرے میں متعدد دیگر معاشرتی برائیوں کے ساتھ استکباری (تکبر پر مبنی) رویے کی جڑ ہے۔ سیکولر لبرل ازم کا مغربی سرمایہ دارانہ عقیدہ افادیت پرستی (Utilitarianism) جیسے نظریات کو جنم دیتا ہے۔

افادیت پرستی (Utilitarianism) ایک نظریہ ہے جس کا مطلب ہے کہ ہمارے اعمال کے نتائج یا فوائد اعمال کے لیے مقیاس العمل (معیار) ہیں اور نیت یا ارادہ غیر متعلق چیز ہے۔ افادیت پسندی کو اکثر ایک "لذت پرستی کی طرز" (hedonic-style) کے اخلاقی نظریہ کے طور پر بیان کیا جاتا ہے کیونکہ اس کے نتیجے میں عام طور پر خوشی اور لذت حتمی مقصد بن جاتے ہیں جس کے حصول کے لیے فرد کو کوشش کرنی چاہیے۔ افادیت پسندی کے

مطابق، اعمال اخلاقی طور پر اس حد تک اچھے ہیں کہ وہ لوگوں کی اکثریت کی "مجموعی "خوشی یا فلاح و بہبود کو فروغ دیتے ہیں۔ اسے اکثر "خوشی کا سب سے بڑا اصول" یا جان اسٹورٹ مل کے بقول "افادیت کا اصول" کہا جاتا ہے۔

لذت پرستی (Hedonism) ایک فلسفیانہ نظریہ ہے جو یہ کہتا ہے کہ انفرادی تسکین، لذت یا خوشی زندگی کا حتمی مقصد ہے، اور یہ کہ ہمیں اپنے لیے لذتوں کو زیادہ سے زیادہ اور درد کو کم سے کم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

اگرچہ افادیت پرستی سختی سے لذت پرست (hedonistic) نہیں ہے، لیکن یہ بھی اسی طرح خوشی اور لذت کو زندگی کا حتمی مقصد قرار دیتی ہے۔ تاہم، یہ لذت پرستی سے قدرے مختلف ہے کہ یہ انفرادیت کے بجائے دوسروں کی بات کرتی ہے۔ افادیت پسندی کا مؤقف ہے کہ ہمیں صرف اپنے لیے خوشی تلاش کرنے کی بجائے کثیر افراد کی مجموعی تسکین یا خوشی کو فروغ دینے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اگرچہ ان کے معانی میں تھوڑا سا فرق ہے لیکن دونوں خیالات کا نتیجہ متکبرانہ رویہ ہے کیونکہ دونوں کوشش کر رہے ہیں کہ انسانوں کو یہ فیصلہ کرنے دیں کہ ان کے لیے یا دوسروں کے لیے کیا بہتر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شخصی آزادی اور خود مختاری پر یقین انسان کو یہ محسوس کرنے کی طرف لے جاتا ہے کہ وہ بعض مراعات یا حقوق کے حقدار ہیں اور ان کی رائے اور انتخاب دوسروں کی رائے سے برتر ہیں۔ استحقاق کا یہ احساس تکبر کے طور پر ظاہر ہو سکتا ہے۔

جیریمی بینتھم (Jeremy Bentham) ایک انگریز فلسفی، قانون دان اور سماجی مصلح تھا جسے جدید افادیت پسندی کا بانی سمجھا جاتا ہے۔ بینتھم نے کسی بھی عمل کی اخلاقی حیثیت (یعنی اس کے صحیح یا غلط ہونے) کا اندازہ لگانے کے لیے ایک طریقہ کار تجویز کیا جو اس عمل سے حاصل ہونے والی خوشی یا لذت پر مبنی تھا، جسے اس نے ہیڈونسٹک (hedonistic) یا فیلیسفک کیلکولس (felicific calculus) کہا۔ اپنی کتاب "اخلاقیات اور قانون سازی کے اصولوں کا تعارف" میں اس نے فیلیسفک کیلکولس کی وضاحت کی (ایک ریاضی کا فارمولا یا الگورتھم جو خوشی کی سطح یا مقدار کا حساب لگاتا ہے)۔ بینتھم نے اپنی کتاب "اخلاقیات اور قانون سازی کے اصولوں کا تعارف"

کے باب "خوشیاں اور تکالیف، ان کی قسمیں" میں 12 تکالیف اور 14 خوشیوں کی درجہ بندی کی تجویز پیش کی، اور وہ دعوٰی کرتا ہے کہ اس درجہ بندی کے ذریعے ہم کسی بھی عمل کے "خوشی کے عنصر"(happiness factor) کو جانچ سکتے ہیں۔ بینتھم نے اس اصول کو اپنے فلسفے کی بنیاد قرار دیا کہ "یہ اکثر لوگوں کے لیے زیادہ سے زیادہ خوشی (کا حصول) ہے جو کہ صحیح اور غلط کا پیمانہ ہے"۔ وہ مذہب کا پرعزم مخالف بھی تھا، جیسا کہ جیمز کریمنز(James Crimmins) اپنی کتاب میں لکھتا ہے: "1809 اور 1823 کے درمیان جیریمی بینتھم نے اس اعلان کردہ مقصد کے ساتھ مذہب کا ایک مکمل جائزہ لیا کہ انسانوں کے ذہنوں سے مذہبی عقائد، یہاں تک کہ مذہب کے خیال کو ہی ختم (مکمل طور پر تباہ) کر دیا جائے"۔

ان بنیادی نظریات سے، جو کہ مغربی معاشروں میں موجود بھی ہیں، کئی نظریاتی شاخیں نکل کر پوری دنیا میں پھیل چکی ہیں۔ ان نظریاتی شاخوں نے تکبر کی بیماری کے کئی تغیرات (میوٹیشنز) کو جنم دیا ہے۔ ان میں سے کچھ نمایاں ترین ذیل میں درج ہیں۔

1۔ **عاجزی کا فقدان:** تکبر کبھی کبھی عاجزی کی کمی، یا اپنی صلاحیتوں یا قدر کو بہت زیادہ سمجھنے کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔ مغربی معاشروں میں، عاجزی کو زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی اور نہ ہی اس پر زور دیا جاتا ہے، جو متکبرانہ رویوں کی نشوونما میں معاون ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ "*Fake it, till you make it*" کے اصول کے مطابق زندگی گزاریں، یعنی خود کو یہ کہیں کہ آپ ایک مقصد حاصل کر سکتے ہیں جبکہ آپ جانتے ہیں کہ آپ کے پاس ابھی تک اسے حاصل کرنے کی مہارت نہیں ہے۔ لہٰذا مسئلہ اخلاقی قدر کے حصول کی اہمیت کا فقدان ہے۔

2۔ **ایک ثقافت جو انفرادیت اور مسابقت میں مقابلے پر زور دیتی ہے:** مغربی معاشروں میں انفرادی کامیابی اور باقی لوگوں سے ہٹ کر کچھ الگ کرنے پر بہت زور دیا جاتا ہے کیونکہ وہ معاشرے کو افراد کے مجموعے کے طور پر دیکھتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ معاشرے کی پیداواری صلاحیت (افادیت) تبھی بڑھ سکتی ہے جب افراد خوشحال ہوں۔ یہ سوچ

لوگوں کا اپنے آپ کو دوسروں سے برتر محسوس کرنے اور متکبرانہ عمل کا باعث بن سکتی ہے۔ مسئلہ معاشرے کی اجتماعی کامیابی کے برعکس انفرادی فضیلت پر زیادہ زور دینا ہے۔

3۔ **صرف مادی قدر حاصل کرنے پر توجہ:** مغربی ثقافت میں، مادی قدر واحد قدر ہے جس کے حصول کے لیے نظام لوگوں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ لہٰذا، مادی کامیابی، دولت اور حیثیت کے حصول پر سخت توجہ مرکوز کی جاتی ہے۔ اس کے نتیجے میں لوگوں کو یہ یقین ہو سکتا ہے کہ ان کے اموال یا کارنامے انہیں دوسروں سے بہتر بناتے ہیں، جو تکبر کے طور پر ظاہر ہو سکتا ہے۔ پچھلی صدی کی 90ء کی دہائی سے اس بیانیے "You Only Live Once" (زندگی صرف ایک بار ملتی ہے) کو پوری دنیا میں فروغ دیا گیا ہے۔ مسئلہ زندگی میں اقدار کا غلط توازن اور زندگی میں اعلیٰ مقصد کی کمی ہے۔

4۔ **مکمل آزادیٔ ارادہ (Free Will) کا نظریہ (انڈیٹرمینزم):** یہ نظریہ افراد کو یہ بتاتا ہے کہ وہ اور ان کی تقدیر ان کے کنٹرول میں ہیں اور وہ شعوری فیصلے کرتے ہیں جو ان کی پوری زندگی کو کنٹرول کرتے ہیں اور وہ کس طرح کے انسان بنتے ہیں۔ لہٰذا، اگر آپ غریب ہیں، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے اتنی محنت نہیں کی کہ آپ غربت سے نکل پاتے۔ اسی طرح اگر آپ دنیاوی زندگی میں کامیاب ہیں تو آپ خود اپنی زندگی کو بہتر بنانے والے (self-made) ہیں۔ اس لیے آپ کو یہ احساس ہو سکتا ہے کہ آپ برتر ہیں اور دوسروں پر برتری کا حق رکھتے ہیں اور اس طرح دوسروں کے ساتھ اپنے معاملات میں متکبر ہو سکتے ہیں۔ عالمی سطح پر نوجوانوں میں اس بات کو فروغ دیا گیا ہے کہ "آپ کچھ بھی بن سکتے ہیں جو آپ بننا چاہتے ہیں"۔ حالانکہ یہ مسئلہ قضاء و قدر (تقدیر) کے غلط تصور کا ہے۔

5۔ **نسل پرستی اور قوم پرستی:** معاشروں کو منظم اور مربوط کرنے کے لیے، مغرب نے جن نظریات کو استعمال کیا اُن میں قوم پرستی اور نسل پرستی شامل ہے۔ یہ فقرہ "سفید آدمی کا بوجھ" (The White Man's Burden) 20ویں صدی کے آغاز میں، مغربی ممالک کی طرف سے استعماریت کا جواز پیش کرنے کے لیے بنایا گیا تھا۔ یہ اس تصور کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ یہ سفید فام مغربی ممالک کی ذمہ داری ہے کہ وہ تہذیب، تعلیم اور عیسائی اقدار کو دنیا بھر کے

دوسرے، کم ترقی یافتہ ممالک اور لوگوں تک پہنچائیں۔ یہ تصور معاشرے کو نسل پرستانہ طریقے سے منظم کرتا ہے۔ قوم پرستی اسی بیماری کا ایک اور رنگ ہے۔ یہ دونوں تعلق فطری طور پر ایک ایسے معاشرے کو جنم دیتے ہیں جو تفریق کی بنیاد پر قائم اور اسی لیے متکبرانہ رویے سے بھرا ہوتا ہے۔ اس کی ایک جھلک ہم پاکستان میں "سب سے پہلے پاکستان" کے نعرے کی صورت میں دیکھ چکے ہیں۔

6۔ جمہوریت: "عوام کی حکومت، عوام کے ذریعے، عوام کے لیے" کے تصور کی بنیاد انسان کی یہ سوچ ہے کہ وہ ایسے قوانین بنا سکتا ہے جو انسانوں کے لیے اچھے ثابت ہوں۔ انسان کی یہ سوچ اس کی صلاحیتوں کے حوالے سے ایک بہت بڑی خوش فہمی ہے اور یہ خوش فہمی اس میں تکبر کا باعث ہے۔ یہ تصور کہ انسان اتنی حکمت تک پہنچ سکتا ہے کہ وہ انتخاب کر سکے جو انسانیت کے لیے بہترین ہو، اس تصور کو اختیار کرنے کے لیے صرف تکبر کی ضرورت نہیں، بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ اپنی حکمت اور خواہشات کی پرستش کریں۔ جمہوریت کے ذریعے حکمرانی کے خیال کو دنیا بھر میں ایک واحد آپشن کے طور پر فروغ دیا جاتا ہے۔ ہم نے "جمہوریت بہترین انتقام" کی شکل دیکھی ہے جو پاکستان میں پھیلی ہوئی ہے۔

تکبر کفر کی طرف لے جا سکتا ہے:

ابن القیم نے اپنی کتاب "الفاوئد" میں دعویٰ کیا ہے، أصولُ الخطايا كلّها ثلاثةٌ، الكبْرُ: وهو الذي أصار إبليسَ إلى ما أصارهُ، والحِرْصُ: وهو الذي أخرج آدم من الجنَّة، والحسدُ: وهو الذي جَرَّأ أحدَ ابنَي آدمَ على أخيهِ؛ فمنْ وُقِي شَرَّ هذه الثلاثة فقد وُقِيَ الشَّرَّ؛ فالكفرُ من الكِبر، والمعاصي من الحِرْص، والبَغْيُ والظُّلْمُ من الحسد "تمام گناہوں کی جڑ تین ہیں، تکبر: جس نے ابلیس کو شیطان بنا دیا، حرص (زیادہ سے زیادہ کی خواہش کرنا): جس نے آدم علیہ السلام کو جنت سے نکالا، حسد: جس نے قابیل کو اکسایا کہ وہ ہابیل کو مار ڈالے۔ پس جو شخص ان تین چیزوں سے محفوظ رہے گا وہ برائیوں سے محفوظ رہے گا کیونکہ کفر تکبر سے ہے، گناہ حرص سے ہیں اور ظلم حسد سے ہے"۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **مَنْ مَاتَ وَهُوَ بَرِيءٌ مِنَ الْكِبْرِ وَالْغُلُولِ وَالدَّيْنِ دَخَلَ الْجَنَّةَ** "جو شخص تکبر، (حق کی تقسیم میں) خیانت اور قرض سے پاک ہو کر مرے وہ جنت میں داخل ہوگا"۔(الترمذی، نسائی)۔اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **لو لم تكونوا تُذْنِبونَ، لخِفْتُ عليكم ما هو أكبرُ من ذلِكَ ؛ العُجْبُ** "اگر تم گناہ نہ کرتے تو میں اس سے بڑی چیز سے ڈرتا: (تکبر کے سبب سے) اپنے آپ کو دوسروں سے بہتر سمجھنا"۔(مسند بزار، شعب الایمان)

تکبر کی اقسام:

ابن القیم کے نزدیک تکبر کی دو قسمیں ہیں۔دیگر علماء نے بھی تکبر کی اقسام کو اسی قسم کے زمروں میں تقسیم کیا ہے:

1۔**خالق کے مقابلے میں تکبر کرنا:** اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے مقابلے میں تکبر وہ چیز ہے جو انسان کو کفر کرنے اور اللہ کی عبادت نہ کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا، **اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ** "مگر ابلیس (شیطان) نے انکار کیا اور غرور میں آکر کافر بن گیا"۔(البقرۃ، 2:34)۔اور فرعون نے تکبر میں آکر یہ کہا، **مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ** "میں تمہارے لیے اپنے سوا کوئی خدا نہیں جانتا"۔(القصص، 28:38)

2۔**مخلوق کے مقابلے میں تکبر کرنا:** اس کی دو اقسام ہیں:

ا۔**انبیاءؑ کے مقابلے میں تکبر کرنا:** جو اس قسم کا تکبر اختیار کرتا ہے وہ انبیاء کی پیروی نہیں کرتا کیونکہ وہ انہیں اپنے جیسا ہی ایک انسان سمجھتا ہے۔اور وہ ایک انسان کی پیروی کرنے سے انکار کرتا ہے۔ تو وہ یہ جانتا ہے کہ وہ (انبیاءؑ) جو کہہ رہے ہیں وہ سچ ہے لیکن وہ اپنے اس تکبر کی وجہ سے ان کی پیروی نہیں کرے گا۔ جیسا کہ اس آیت میں ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا گیا کہ، **وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا** "اور بے انصافی اور غرور سے ان

(موسیٰؑ) سے انکار کیا لیکن ان کے دل ان کو مان چکے تھے (کہ یہ آیات اللہ کی طرف سے ہیں اور موسیٰؑ اللہ کے سچے رسول ہیں)"۔(النمل،27:14)

اسی لیے انہوں نے اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے مطالبہ کیا کہ ان کے لیے فرشتے نازل ہوں، **وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ؕ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا** "اور جو لوگ ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے، کہتے ہیں کہ ہم پر فرشتے کیوں نہ نازل کئے گئے۔ یا ہم اپنی آنکھ سے اپنے پروردگار کو دیکھ لیں۔ یہ اپنے نفوس میں تکبر رکھتے ہیں اور (اسی بنا پر) بڑے سرکش ہو رہے ہیں"۔(الفرقان،25:21)

ب۔ **عام لوگوں کے مقابلے میں تکبر کرنا:** اس قسم کا تکبر ایک مسئلہ ہے کیونکہ یہ تکبر صرف اور صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لیے جائز ہے۔ ایک حدیث قدسی کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ الْكِبْرِيَاءُ رِدَائِي وَالْعَظَمَةُ إِزَارِي فَمَنْ نَازَعَنِي وَاحِدًا مِنْهُمَا قَذَفْتُهُ فِي النَّارِ** "اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تکبر اس (اللہ) کی پوشاک ہے اور عظمت اس کی چادر ہے اور (اللہ فرماتا ہے) جو ان کے بارے میں مجھ سے جھگڑے گا میں اسے عذاب دوں گا"۔

اس قسم کے تکبر میں دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ وہ شخص اللہ تعالیٰ کی پیروی نہیں کرے گا کیونکہ جب انسان اسے صحیح نصیحت دے گا تو وہ اسے قبول نہیں کرے گا۔ جب اسے حق کی طرف بلایا جائے گا جو اس کی رائے کے خلاف ہو، تو وہ اس پر عمل نہیں کرے گا۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا، **وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ** "اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے خوف کر تو غرور اس کو گناہ میں پھنسا دیتا ہے۔ سو ایسے کو جہنم سزاوار ہے۔ اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے"۔(البقرۃ،2:206)

سب سے بڑی آفت اس شخص کی منتظر ہے جس کے دل میں کسی بھی قسم کا تکبر ہو: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **لاَ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ كِبْرٍ "متکبر، چاہے اس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہو، جنت میں داخل نہیں ہوگا"۔** (ریاض الصالحین: 1575)

نفس کی تکبر کے مقابلے میں حفاظت:

ابن القیمؒ نے ایک دلچسپ بات بیان کی ہے جو اپنے نفس کو گناہ سے بچانے کی کوشش کرنے والے کے مقابلے میں تکبر کے تصور کی وضاحت کرتی ہے۔ ابن القیم اپنی کتاب "کتاب الروح" میں لکھتے ہیں: أن الصائنَ لنفسه بمنزلة رجل قد لبس ثوبًا جديدًا نقيَّ البياض ذا ثمن، فهو يدخل به على الملوك فمن دونَهم، فهو يصونه عن الوسَخ والغبار والطبوع وأنواع الآثار إبقاءً على بياضه ونقائه. "جو شخص اپنے نفس کی حفاظت کرتا ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے ایک نیا چٹا سفید لباس زیب تن کیا ہو اور وہ اس نئے لباس کے ساتھ حاکموں اور ان کے عہدہ داروں سے ملتا ہو، اور اس (لباس) کی سپیدی اور پاکیزگی کو برقرار رکھتے ہوئے اسے مٹی، گرد و غبار اور ہر طرح کے نشانات سے بچاتا ہو"۔

انہوں نے مزید کہا، فتراه صاحب تقزُّز وهروب من المواضع التي يخشى منها عليه التلوث، فلا يسمح بأثر ولا طبع ولا لُواث يعلو ثوبَه ، وإن أصابه شيء من ذلك على غِرَّة بادر إلى قلعه وإزالته ومحو أثره. "آپ اسے نفرت و کراہت کا اظہار کرتے ہوئے اور ایسی جگہوں سے بھاگتے ہوئے دیکھیں گے جہاں سے اسے آلودگی کا اندیشہ ہو۔ وہ ایسا ہونے نہیں دیتا کہ کوئی داغ، نشان اس کے لباس کو ناپاک کر دے۔ اگر اس قسم کی کوئی چیز اسے بے خبری میں چھو جائے تو وہ اسے ہٹانے اور اس کا نشان مٹانے میں جلدی کرتا ہے"۔

انہوں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے مزید کہا، وهكذا الصائن لقلبه ودينه تراه يجتنب طبوعَ الذنوب وآثارها، فإنَّ لها في القلب طبوعًا وآثارًا أعظمَ من الطبوع الفاحشة في الثوب الالبياض "اسی طرح جو اپنے دل اور دین کی حفاظت کرتا ہے، آپ اسے گناہوں کے داغوں اور ان کے اثرات سے

بچتے ہوئے دیکھیں گے، کیونکہ یہ دل میں ایسے داغ چھوڑ جاتے ہیں جو سفید کپڑے پر لگنے والے بدنما داغ سے بھی زیادہ داغ دار ہوتا ہے"۔

پھر انہوں نے زور دیتے ہوئے کہا، فتراه يهرب من مظانِّ التلوث، ويحترسُ من الخلق، ويتباعد من مخالطتهم، مخافةَ أن يحصلَ لقلبه ما يحصل لثوب الذي يخالط الدبَّاغين والذبَّاحين والطبَّاخين ونحوهم "تو آپ دیکھیں گے کہ وہ آلودہ جگہوں سے بھاگتا ہے، لوگوں سے محتاط رہتا ہے، اور خود کو ان کے ساتھ گھل مل جانے سے دور رکھتا ہے، اس ڈر سے کہ جو چمڑے کی کھال کی دھلائی کرنے والوں، قصابوں، باورچیوں اور اس طرح کے لوگوں کے ساتھ وقت گزارتا ہے، اس کے لباس کے ساتھ جو ہوتا ہے وہ کہیں اس کے دل کے ساتھ بھی نہ ہو جائے"۔

پھر انہوں نے بات کو سمیٹتے ہوئے کہا، بخلاف صاحب العُلوِّ، فإنه وإن شابَهَ هذا في تحرُّزه وتجنُّبه، فهو يقصِد أن يعلو رقابَهم، ويجعلهم تحت قدمه. فهذا لون، وذاك لون "متکبر کے برعکس، اگرچہ وہ احتیاط اور اجتناب میں متکبر سے ملتا جلتا ہے، لیکن وہ اپنی گردن دوسروں کی گردنوں سے اوپر اور لوگوں کو اپنے پاؤں تلے رکھتا ہے۔ یہ ایک قسم ہے، اور وہ دوسری ہے"۔

تکبر کے متعلق اسلامی حکم اور اس کی جدید اقسام سے متعلق شرع کا نقطہ نظر:

تکبر کے بارے میں اسلامی احکام

اسلام میں تکبر کو بہت بڑا گناہ سمجھا جاتا ہے۔ قرآن و حدیث میں اس کی سختی سے حوصلہ شکنی کی گئی ہے۔

امام غزالیؒ نے اپنی کتاب "احیاء العلوم الدین" میں فرمایا، **اعلم أن الكبر من المهلكات ولا يخلو أحد من الخلق عن شيء منه وَإِزَالَتُهُ فَرْضُ عَيْنٍ** "جان لو کہ تکبر تباہ کن امور میں سے ہے۔ مخلوق میں سے کوئی بھی اس سے خالی نہیں ہے۔ اسے ہٹانا فرض عین ہے"۔

ابن القیم اپنی کتاب "الفاوئد" میں لکھتے ہیں، **وهو الذي أصار إبليسَ إلى ما أصارهُ** "کبر وہ ہے جس نے ابلیس کو ایسا بنایا جیسا کہ وہ اب ہے"۔

تکبر کی جدید اقسام

تعفن زدہ مغربی تہذیب کی وجہ سے پوری دنیا میں تکبر کی بہت سی جدید شکلیں اور اقسام پھیلی ہوئی ہیں۔ قرآن مجید میں اور سنت نبوی ﷺ میں بھی ان کے لیے مخصوص علاج موجود ہیں۔

لذت پرستی (Hedonism): لذت پرست (Hedonistic) رویے کے بارے میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں، **مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ۞ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ** "جو لوگ دنیا کی زندگی اور اس کی زیب و زینت کے طالب ہوں ہم ان کے اعمال کا بدلہ انہیں دنیا میں ہی دے دیتے ہیں اور اس میں ان کی حق تلفی نہیں کی جاتی۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں آتش (جہنم) کے سوا کوئی چیز نہیں اور جو عمل انہوں نے دنیا میں کئے سب برباد اور جو کچھ وہ کرتے رہے، سب ضائع"۔ (ہود، 15-16)

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا، **قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ۭ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا** "تم فرماؤ کیا ہم تمہیں بتادیں کہ سب سے بڑھ کر ناقص اعمال کن کے ہیں۔ ان کے جن کی ساری کوشش دنیا کی زندگی میں گم ہو گئی، اور وہ اس خیال میں ہیں کہ اچھا کام کر رہے ہیں"۔ (الکہف، 103-104)

معاشرے میں انفرادیت کے بارے میں نظریہ: معاشرے کو کس طرح کام کرنا چاہئے اس کے بارے میں اسلامی نظریہ حدیث صفینہ میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **اَلْمُسْلِمُوْنَ كَرَجُلٍ**

وَاحِدٍ إِنِ اشْتَكَى عَيْنُهُ اشْتَكَى كُلُّهُ وَإِنِ اشْتَكَى رَأْسُهُ اشْتَكَى كُلُّهُ "مسلمان (باہم) ایک آدمی کے جسم کی طرح ہیں، اگر اس کی آنکھ میں تکلیف ہو تو سارے جسم کو تکلیف ہوتی ہے اور اگر سر میں تکلیف ہو تو اس کے سارے جسم کو تکلیف ہوتی ہے"۔ (صحیح مسلم)

قوم پرستی اور نسل پرستی کے بارے میں نقطہ نظر: قوم پرستی کے بارے میں اسلامی موقف کا خلاصہ رسول اللہ ﷺ کی درج ذیل حدیث سے کیا جاسکتا ہے، **دَعُوهَا فَإِنَّهَا مُنْتِنَةٌ "اسے چھوڑ دو، یہ بدبودار ہے"**۔ (مسلم وبخاری)

تقدیر کے بارے میں: قضاء والقدر کا معاملہ مسلمان کے عقیدہ کا حصہ ہے۔ آیات اور حدیث اس تصور کی وضاحت کرتی ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا، **مَآ أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ فِي ٱلۡأَرۡضِ وَلَا فِيٓ أَنفُسِكُمۡ إِلَّا فِي كِتَٰبٖ مِّن قَبۡلِ أَن نَّبۡرَأَهَآۚ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى ٱللَّهِ يَسِيرٞ "کوئی مصیبت ایسی نہیں ہے جو زمین میں یا تمہارے اپنے نفس پر نازل ہوتی ہو اور ہم نے اس کو پیدا کرنے سے پہلے ایک کتاب میں لکھ نہ رکھا ہو۔ ایسا کرنا اللہ کے لیے بہت آسان کام ہے"** (الحدید، 57:22)۔ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **رُفِعَتْ الْأَقْلَامُ، وَجَفَّتْ الصُّحُفُ "قلم اٹھا لئے گئے اور صحیفے خشک ہو چکے"**۔ (ترمذی)

عاجزی کے بارے میں نقطہ نظر: عاجزی (التواضع) اسلامی نفسیہ کی ایک انتہائی پسندیدہ خصوصیت ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا، **وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا "اور الرحمٰن کے بندے تو وہ ہیں جو زمین پر آہستگی سے چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے (جاہلانہ) گفتگو کرتے ہیں تو سلام کہتے ہیں"**۔ (الفرقان، 25:63)

زندگی کے مقصد کے بارے میں نقطہ نظر: زندگی کا مقصد قرآن مجید میں واضح الفاظ میں بیان کیا گیا ہے، **وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ "اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ صرف میری بندگی کریں"**۔ (الذٰریٰت، 51:56)

قرآن کریم کے مطابق زندگی کا ایک اور مقصد انسانیت کو ان کے ایمان اور اطاعت پر آزمانا ہے،

وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ ٱلْخَوْفِ وَٱلْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ ٱلْأَمْوَٰلِ وَٱلْأَنفُسِ وَٱلثَّمَرَٰتِ ۗ وَبَشِّرِ ٱلصَّٰبِرِينَ(155)ٱلَّذِينَ إِذَآ أَصَٰبَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوٓاْ إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رَٰجِعُونَ(156)أُوْلَٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَٰتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُهْتَدُونَ(157)"اور ہم کسی قدر خوف اور بھوک اور مال اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے تمہاری آزمائش کریں گے تو صبر کرنے والوں کو (اللہ کی خوشنودی کی) بشارت سنادو۔ان لوگوں پر جب کوئی مصیبت واقع ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔یہی لوگ ہیں جن پر ان کے پروردگار کی مہربانی اور رحمت ہے۔اور یہی سیدھے رستے پر ہیں"۔(البقرۃ،157-155)

تکبر کی وجوہات:

جہاں تک تکبر کی وجوہات کا معاملہ ہے تو امام غزالیؒ نے "احیاء" میں لکھا ہے:

اعلم أن الكبر خلق باطن، وأما ما يظهر من الأخلاق والأفعال فهي ثمرة ونتيجة، وينبغي أن تسمى تكبراً. ويخص اسم الكبر بالمعنى الباطن الذي هو استعظام النفس ورؤية قدرها فوق قدر الغير، وهذا الباطن له موجب واحد وهو العجب الذي يتعلق بالمتكبر - كما سيأتي معناه - فإنه إذا أعجب بنفسه وبعلمه وبعمله أو بشيء من أسبابه استعظم وتكبر. "جان لو کہ تکبر اندرونی پیداوار ہے۔جہاں تک ظاہری اخلاق اور اعمال کا تعلق ہے تو وہ ایک پھل اور نتیجہ ہیں۔اسے تکبر ہی کہنا چاہیے۔لفظ کبر کا تعلق باطنی معنی سے ہے جو کہ اپنی ذات پر غرور اور اپنی قدر کو دوسروں کی قدر سے زیادہ دیکھنا ہے۔اس باطنی معنی کی ایک وجہ ہے، وہ ہے خود کو دوسروں سے افضل سمجھنا جس کا تعلق متکبر شخص سے ہے، جیسا کہ اس کے معنی سے ظاہر ہوتا ہے۔اگر وہ اپنے آپ سے، اپنے علم سے، اپنے کام سے، یا اس کے اسباب میں سے کسی چیز سے متاثر ہوتا ہے، تو وہ متکبر اور مغرور ہو جاتا ہے"۔

وہ تنبیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں، سبب في المتكبر :وهو العجب فهو يورث الكبر الباطن والكبر يثمر التكبر الظاهر في الأعمال والأقوال والأحوال. "تکبر کرنے والے کی وجہ خود کو

دوسروں سے افضل سمجھنا ہے، کیونکہ اس سے اندرونی کبر پیدا ہوتا ہے۔ کبر اعمال، الفاظ اور حالات میں ظاہری تکبر پیدا کرتا ہے"۔

اور لکھتے ہیں، وسبب في المتكبر عليه :وهو الحقد والحسد: فأما الحقد فإنه يحمل على التكبر من غير عجب كالذي يتكبر على من يرى أنه مثله أو فوقه ولكن قد غضب عليه بسبب سبق منه فأورثه الغضب حقدا ورسخ في قلبه بغضه فهو لذلك لا تطاوعه نفسه أن يتواضع له وإن كان عنده مستحقا للتواضع ... ويحمله ذلك على رد الحق إذا جاء من جهته وعلى الأنفة من قبول نصحه۔ "کسی کے لیے اس کی وجہ بغض اور حسد ہے۔ جہاں تک بغض کا تعلق ہے تو یہ بلا وجہ تکبر کا باعث بنتا ہے، جیسے کہ کوئی شخص جب کسی کو اپنے مقابلے کا یا اپنے سے بڑا بنتا ہوا دیکھتا ہے تو تکبر کرنے لگتا ہے۔ یا اس کی طرف سے کیے گئے کسی سابقہ عمل کی وجہ سے وہ اس پر غصہ ہوا۔ چنانچہ غصے نے اس شخص کے لیے کینہ اور نفرت اس کے دل میں ڈال دی۔ لہٰذا، اس کا نفس اسے اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ اس کے سامنے عاجزی کا مظاہرہ کرے، خواہ وہ عاجزی کا مستحق ہی کیوں نہ ہو۔۔۔ یہ اسے اس بات کی طرف لے جاتا ہے کہ اگر سچائی اس شخص کی طرف سے آئے تو یہ اسے مسترد کر دے، اور اس کی نصیحت کو قبول کرنے سے باز رہے"۔

وہ مزید لکھتے ہیں: وأما الحسد فإنه أيضاً يوجب البغض للمحسود وإن لم يكن من جهته إيذاء وسبب يقتضي الغضب والحقد, ويدعو الحسد أيضا إلى جحد الحق حتى يمنع من قبول النصيحة وتعلم العلم فهو يعرض عنه ويتكبر عليه مع معرفته بأنه يستحق التواضع بفضل علمه ولكن الحسد يبعثه على أن يعامله بأخلاق المتكبرين وإن كان في باطنه ليس يرى نفسه فوقه. " جہاں تک حسد کا تعلق ہے تو یہ حسد کرنے والے سے نفرت کا بھی تقاضا کرتا ہے، خواہ اس کی طرف سے نہ کوئی نقصان ہوا اور نہ ہی کوئی ایسی وجہ جس سے غصہ اور نفرت کی ضرورت ہو۔ حسد حق کے انکار کو بھی کہتے ہیں تاکہ یہ کسی کو نصیحت قبول کرنے اور علم سیکھنے سے روکے۔ وہ اس سے منہ موڑتا ہے اور اس کی طرف تکبر کرتا ہے، حالانکہ وہ جانتا ہے کہ وہ اپنے علم کے اعتبار سے تواضع کا مستحق ہے، لیکن حسد اسے

متکبروں کے برے اخلاق کے ساتھ پیش آنے پر اکساتا ہے۔ وہ ایسا کرتا ہے یہاں تک کہ اگر وہ اندر سے اپنے آپ کو برتر نہیں سمجھتا"۔

اور لکھتے ہیں: وسبب فيما يتعلق بغيرهما :وهو الرياء, فهو أيضا يدعو إلى أخلاق المتكبرين حتى إن الرجل ليناظر من يعلم أنه أفضل منه وليس بينه وبينه معرفة ولا محاسدة ولا حقد ولكن يمتنع من قبول الحق منه ولا يتواضع له في الاستفادة خيفة من أن يقول الناس إنه أفضل منه۔ "اور دوسروں کے سلسلے میں ایک وجہ ریاء (دکھاوا) ہے، کیونکہ یہ متکبروں کے اخلاق کو متاثر کرتا ہے، یہاں تک کہ آدمی کسی ایسے شخص سے بحث کرتا ہے جسے وہ جانتا ہے کہ وہ اس سے بہتر ہے۔ اور ان کے درمیان کوئی شناسائی، باہمی حسد یا نفرت نہیں ہے۔ اس کے باوجود وہ اس سے حق کو قبول کرنے سے گریز کرتا ہے اور اس سے فائدہ اٹھانے کے لیے عاجزی اختیار نہیں کرتا۔ یہ اس خوف سے ہے کہ لوگ کہیں گے کہ وہ شخص اس سے بہتر ہے"۔

علم اور عمل کے ذریعے تکبر کا علاج:

امام غزالیؒ اپنی کتاب "احیاء العلوم الدین" میں لکھتے ہیں کہ، اعلم أن الكبر من المهلكات ولا يخلو أحد من الخلق عن شيء منه وَإِزَالَتُهُ فَرْضُ عَيْنٍ وَلَا يَزُولُ بِمُجَرَّدِ التَّمَنِّي بل بالمعالجة واستعمال الأدوية القامعة له وفي معالجته مقامان "جان لو کہ تکبر نقصان دہ ہے۔ مخلوق میں سے کوئی بھی اس سے خالی نہیں ہے۔ اسے ہٹانا فرض عین ہے۔ یہ محض خواہش مندانہ سوچ سے نہیں جاتا بلکہ اسے ٹھیک کرنے اور اسے ختم کرنے کے لیے علاج کیا جاتا ہے۔ اس کے علاج کے دو مراحل ہیں:

أحدهما استئصال أصله من سنخه وقلع شَجَرَتِهِ مِنْ مَغْرِسِهَا فِي الْقَلْبِ، الثَّانِي دَفْعُ العارض منه بالأسباب الخاصة التي بها يتكبر الإنسان على غيره "سب سے پہلے اس کی بنیاد کو یکسر ختم کرنا اور دل کے اندر سے اس کے درخت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا۔ دوم، ان چیزوں کو مسترد کرنا جن کی وجہ سے انسان دوسروں کے مقابلے میں غرور کرتا ہے"۔ ہم صرف پہلے والے پر تفصیل سے بات کریں گے۔

امام غزالیؒ نے پہلے مرحلے کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

المقام الأول في استئصال أصله وعلاجه عِلْمِيٌّ وَعَمَلِيٌّ وَلَا يَتِمُّ الشِّفَاءُ إِلَّا بِمَجْمُوعِهِمَا

"اس کی اصلیت کو مٹانے کا پہلا مرحلہ علم اور عمل سے ہے۔ علاج صرف دونوں کے امتزاج سے حاصل ہوتا ہے"۔

أَمَّا الْعِلْمِيُّ فَهُوَ أَنْ يَعْرِفَ نَفْسَهُ وَيَعْرِفَ رَبَّهُ تَعَالَى وَيَكْفِيهِ ذَلِكَ فِي إِزَالَةِ الْكِبْرِ. فَإِنَّهُ مَهْمَا عَرَفَ نَفْسَهُ حَقَّ الْمَعْرِفَةِ عَلِمَ أنه أذل من كل ذليل وأقل من كل قليل وأنه لا يليق به إلا التواضع والذلة والمهانة وَإِذَا عَرَفَ رَبَّهُ عَلِمَ أَنَّهُ لَا تَلِيقُ الْعَظَمَةُ وَالْكِبْرِيَاءُ إِلَّا بِاللَّهِ أَمَّا مَعْرِفَتُهُ رَبَّهُ وعظمته ... وأي عبد لم يذنب ذنباً استحق به العقوبة ... والدنيا سجنه وقد استحق العقوبة من الله تعالى ولا يدري كيف يكون آخر أمره فيكفيه ... فَهَذَا هُوَ الْعِلَاجُ الْعِلْمِيُّ الْقَامِعُ لِأَصْلِ الْكِبْرِ

"**جہاں تک علم کا تعلق ہے** تو یہ اپنے آپ کو اور اپنے رب کریم کو جاننا ہے۔ یہ اس کے تکبر کو دور کرنے کے لیے کافی ہے۔ اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ کیسے اعتراف کرتا ہے، وہ جانتا ہے کہ وہ ہر ذلت سے ذلیل ترین ہے اور ہر معمولی چیز سے بھی معمولی ہے۔ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اسے عاجزی (تَوَاضُع)، ذلت اور توہین (مہانۃ) کے سوا کوئی چیز زیب نہیں دیتی۔ اور اگر وہ اپنے رب کو جانتا ہے تو وہ جانتا ہے کہ عظمت اور تکبر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سوا کسی کو بھی زیب نہیں دیتا۔ اور کوئی بندہ ایسا نہیں جس نے ایسا گناہ نہ کیا ہو جس کی سزا کا وہ مستحق ہو۔ دنیا اس کا قید خانہ ہے اور وہ واقعی اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا کا مستحق ہے اور وہ نہیں جانتا کہ اس کے معاملہ کا انجام کیا ہوگا، اس لیے یہ اس کے لیے کافی ہے۔ یہ علم سے علاج ہے جو تکبر کی اصل کو دبا دیتا ہے"۔

وَأَمَّا الْعِلَاجُ الْعَمَلِيُّ فَهُوَ التَّوَاضُعُ لِلَّهِ بِالْفِعْلِ وَلِسَائِرِ الْخَلْقِ بِالْمُوَاظَبَةِ عَلَى أَخْلَاقِ الْمُتَوَاضِعِينَ كَمَا وَصَفْنَاهُ وحكيناه من أحوال الصالحين ومن أحوال رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى إنه كان يأكل على الأرض ويقول إنما أنا عبد آكل كما يأكل العبد وقيل لسلمان لم لا تلبس ثوباً جديداً فقال إنما أنا عبد فإذا أعتقت يوماً لبست جديداً لَمَّا كَانَ السُّجُودُ عِنْدَهُمْ هُوَ مُنْتَهَى الذِّلَّةِ وَالضَّعَةِ أُمِرُوا بِهِ لِتَنْكَسِرَ بِذَلِكَ خُيَلَاؤُهُمْ وَيَزُولَ كِبْرُهُمْ وَيَسْتَقِرَّ التَّوَاضُعُ فِي قُلُوبِهِمْ وَبِهِ أُمِرَ سائر الخلق

"**جہاں تک عمل سے علاج کا تعلق ہے** تو یہ عمل اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سامنے عاجزی اور باقی مخلوق کے سامنے عاجزی کے آداب پر قائم رہنا ہے جیسا کہ صالحین اور رسول اللہ ﷺ کے حالات کے بارے میں بیان اور نقل کیا گیا ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا: 'میں صرف ایک غلام ہوں۔ میں اس طرح کھاتا ہوں جیسے کوئی غلام کھاتا ہے'، جب کہ آپ فرش پر بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے۔ حضرت سلمان فارسیؓ سے ایک مرتبہ پوچھا گیا کہ آپ نئے کپڑے کیوں نہیں پہنتے؟ آپؓ نے فرمایا: 'میں تو محض ایک غلام ہوں، اگر مجھے ایک دن (آزاد ہونے کی) امید ہوتی تو میں نئے کپڑے پہن لیتا'۔ چونکہ سجدہ ان (عربوں) کے لیے ذلت اور اطاعت کی سب سے بڑی صورت تھی، اس لیے انہیں ایسا کرنے کا حکم دیا گیا تاکہ ان کا غرور کچل دیا جائے، ان کا غرور مٹ جائے اور ان کے دلوں میں عاجزی بس جائے۔ اور انہی کے ذریعے سے باقی مخلوق کو بھی یہی حکم دیا گیا"۔

تکبر کو کس چیز سے بدلیں؟

عاجزی (التواضع) کو ایک مسلمان کے تقویٰ میں مرکزی مقام حاصل ہے۔ اس کی بڑی وجہ قرآن و حدیث میں اس کا متعین مقام ہے، اور کیونکہ یہ غرور و تکبر کے متضاد ہے، جو قرآن میں ابلیس اور فرعون دونوں کا بنیادی گناہ ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ تکبر کو عاجزی، حیا اور اخلاص سے بدل دیں۔ ابن القیمؒ نے نتیجہ اخذ کیا ہے کہ عزت اور کبر کی خصوصیات صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے ہیں اور مخلوق کے لیے عاجزی اور شائستگی کی صفات ہیں۔

اخلاص اور شائستگی کے بارے میں امام شافعیؒ نے فرمایا: **ما ناظرت أحداً قط إلا أحببت أن يوفق ويسدد ويعان ... وددت أن الخلق يتعلمون هذا العلم ولا ينسب إلي منه شيء** "میں نے کسی سے اس خواہش کے ساتھ بحث نہیں کی کہ وہ غلطی کرے (یا سچائی اس کی زبان سے ادا نہ ہو)۔ میرے قلب میں کوئی علم نہیں ہے سوائے ایسے علم کے جس کے بارے میں میں نے یہ چاہا کہ یہ علم ہر ایک کا ہو جبکہ مجھے اس کی طرف منسوب نہ کیا جائے"۔ یہی مفہوم عبداللہ ابن عباسؓ کے الفاظ میں دوسروں سے محبت کرنے کی حد

سے متعلق بیان ہوا ہے: "جب میں اللہ کی کتاب کی کسی آیت کی اہمیت کو محسوس کرتا ہوں تو میں چاہتا ہوں کہ جو کچھ میں جانتا ہوں وہ سب لوگ جان لیں۔ جب میں کسی مسلمان حکمران کے بارے میں سنتا ہوں جو عدل وانصاف سے کام کرتا ہے تو میں اس کے لیے خوش ہوتا ہوں اور اس کے لیے دعا کرتا ہوں اور خواہ میرا اس سے کوئی تعلق نہ بھی ہو (یعنی کسی دوسرے صوبے کا والی ہو)۔ اور جب میں مسلمانوں کی سرزمین پر بارش کی خبر سنتا ہوں تو خوشی ہوتی ہے اور خواہ میں اس زمین سے اتنا دور ہوں کہ اس سے فائدہ بھی نہ اٹھا سکوں"۔

اگرچہ ہمیں یہ سمجھنا چاہیے کہ اپنی شخصیت میں عاجزی کو برقرار رکھنے کے لیے ایک نازک توازن کو برقرار رکھنے کی ضرورت ہے۔ ابن القیم نے اپنی کتاب "مدارج السالکین" میں اس مسئلے کو یوں بیان کیا ہے: وَمِنَ التَّوَاضُعِ حَدٌّ إِذَا تَجَاوَزَهُ كَانَ ذُلًّا وَخَسِيسًا، وَإِذَا نَقَصَ عَنْهُ كَانَ تَكَبُّرًا وَعِزًّ "عاجزی کی ایک حد ہوتی ہے، جس سے آگے نکل جانے پر پستی اور ذلت ہوتی ہے۔ اور جب مطلوبہ حد سے کم ہو جائے تو تکبر اور غرور میں بدل جائے گی"۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ ایسے معاملات میں اعتدال ہی بہترین طریقہ ہے۔

نتیجہ: صرف خلافت ہی مغربی تہذیب کی طرف سے پھیلائی گئی تکبر کی عالمی وبا کو ختم کرے گی۔

خلافت کے خاتمے کے بعد سے انسانیت مغربی تہذیب اور اس کی انفرادی لذت کی متلاشی سطحی سوچ سے دوچار ہے۔ اپنے زاویۂ نگاہ کو اس وقتی دنیاوی وجود تک محدود کر کے اس تہذیب نے انسانیت کے لیے بے پناہ مشکلات اور مصائب پیدا کیے ہیں۔ ریاستِ خلافت ایک ایسی ریاست ہو گی جو لوگوں کو اس بدحال اخلاقی حالت سے نکالے گی جس میں وہ زندگی گزارنے اور اس کی پیروی کرنے پر مجبور ہیں۔ اسلامی تہذیب جس طرح سے ماضی میں انسانیت کے لیے ایک مینارۂ نور رہی ہے ویسے ہی اس کے احیاء کے بعد (جلد ہی ان شاءاللہ) انسانیت کے لیے ایک بار پھر روشنی کا مینار ثابت ہو گی۔

حزب التحریر کی کتاب "مغربی سرمایہ دارانہ فکر کی تردید" احیاء کو موضوع بناتی ہے اور اسے اخلاق اور اعلیٰ اقدار کے احیاء سے جوڑتی ہے۔: "مہذب قوموں کی ترقی کو صرف سائنسی اور تکنیکی ترقی کی طرح مادی ترقی کے لحاظ سے نہیں ماپا

جاتا، بلکہ اسے اخلاقیات، اعلیٰ اقدار اور مقاصد کی بلندی کے حوالے سے بھی ماپا جاتا ہے جو انسان کو حیوانات کے دائرے سے بلند کرتے ہیں۔ اس کی پیمائش ان نظاموں کے حوالے سے بھی کی جاتی ہے جو مادے کو روح کے ساتھ ایک عین توازن میں ملا کر، دنیا اور آخرت کی بھلائیوں کو اکٹھا کر کے انسانی فطرت سے متفق ہوں۔ مغرب سے پہلے بہت سی قومیں طاقت، غلبہ اور مادی ترقی کی حامل تھیں۔ مگر وہ اپنے رب کے احکام سے منحرف ہو گئے اور زمین پر تکبر، جبر اور ظلم کی پہچان بن گئے"۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا، ﴿**اَوَلَمۡ يَسِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَيَنۡظُرُوۡا كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيۡنَ كَانُوۡا مِنۡ قَبۡلِهِمۡ‌ؕ كَانُوۡا هُمۡ اَشَدَّ مِنۡهُمۡ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِى الۡاَرۡضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوۡبِهِمۡ‌ؕ وَمَا كَانَ لَهُمۡ مِّنَ اللّٰهِ مِنۡ وَّاقٍ**﴾ "**کیا انہوں نے زمین میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ جو لوگ ان سے پہلے تھے ان کا انجام کیسا ہوا۔ وہ ان سے زور اور زمین میں نشانات (بنانے) کے لحاظ سے کہیں بڑھ کر تھے تو اللہ نے اُن کو اِن کے گناہوں کے سبب پکڑ لیا۔ اور اُن کو اللہ (کے عذاب) سے کوئی بھی بچانے والا نہ تھا**"۔ (غافر، 40:21)

میں رسول اللہ ﷺ کی دعا سے اس مضمون کا اختتام کرنا چاہوں گا:

وَفِيهِ : وَكَانَ يَقُولُ بَعْدَ اَلتَّكْبِيرِ : "**أَعُوذُ بِاَللَّهِ اَلسَّمِيعِ اَلْعَلِيمِ مِنَ اَلشَّيْطَانِ اَلرَّجِيمِ , مِنْ هَمْزِهِ , وَنَفْخِهِ , وَنَفْثِهِ**"(سنن ابن ماجه - بلوغ المرام)

قَالَ: نفخه : الكبر . وهمزه : الْمُوتَةُ. ونفثه : الشعر

آپ ﷺ (نماز کے لیے) تکبیر کے بعد فرماتے تھے: "میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں جو سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے، شیطان مردود سے، اس کے جنون (**هَمْزِهِ**) سے، اس کے تکبر (**نَفْخِهِ**) سے، اور اس کی شاعری (**نَفْثِهِ**) سے"۔ (سنن ابن ماجہ - بلوغ المرام)

ابن ماجہ کی تشریح ہے: **نَفْخِهِ** کبر ہے، **هَمْزِهِ** دیوانہ پن ہے، **نَفْثِهِ** شعر ہے۔

فہرست

آج کے بعد اس نئی صلیبی جنگ، جسے صیہونیت کہا جاتا ہے، اس کے متعلق کسی مسلمان یا غیر مسلم کے لیے کوئی عذر نہیں ہے

بلال المہاجر، پاکستان

روئے زمین پر کوئی ایسا شخص نہیں بچا جو غزہ کے معصوم لوگوں کے خلاف ہونے والے جرائم سے بے خبر ہو۔ سب جانتے ہیں کہ یہودیوں کی بدمعاش ریاست کس طرح گھروں پر بمباری کر رہی ہے، اور ان میں رہنے والے مکینوں کو اپنے ہی گھروں کے ملبے تلے دفن کر رہی ہے۔ یہودی وجود دن دیہاڑے نہتے شہریوں کو سنائپرز کے ذریعے نشانہ بنا رہا ہے اور انہیں سڑکوں پر شہید کر رہا ہے۔ یہ سب کچھ جو غزہ اور مغربی کنارے میں، جہاں انبیاء علیہم السلام کے زمانے میں وحی نازل ہوتی رہی تھی، یعنی سرزمین فلسطین میں برپا ہو رہا ہے، اللہ کے قوانین اور انسانی اقدار کے برخلاف ہے۔ یہ خبر آٹھ ارب لوگوں کی دنیا میں پھیل چکی ہے۔ اب جرائم سے انکار ممکن نہیں۔ مسلم امت سے تعلق رکھنے والے یا اس سے تعلق نہ رکھنے والے کسی بھی شخص کی طرف سے ان جرائم کے بارے میں لاعلمی کا عذر قبول کرنا ممکن نہیں ہے۔

اسی طرح یہ بات بھی اب کسی سے ڈھکی چھپی نہیں رہی کہ یہ قتلِ عام یہودی کر رہے ہیں، جبکہ ان کی حوصلہ افزائی اور حمایت بڑی مغربی طاقتیں کر رہی ہیں، جن کی سربراہی، شر کا سربراہ، امریکہ کر رہا ہے۔ یہ مغربی ریاستیں اپنی تمام تر فوجی، معاشی اور میڈیا طاقت کے ساتھ بدمعاش یہودی ریاست کی حمایت کر رہی ہیں۔ یقیناً یہ بات مسلم امت سمیت پوری دنیا کے لوگوں کے لیے اب کوئی راز نہیں رہی کہ عالم اسلام کی حکومتیں اور حکمران مغربی طاقتوں کے آلۂ کار اور ایجنٹ اور یہودی وجود کے اتحادی ہیں۔ مسلم دنیا کے حکمرانوں کے دلوں میں اسلام اور فلسطین کے مسلمانوں کے

خلاف نفرت اور دشمنی بھری ہوئی ہے۔ ان حکمرانوں کے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں سے دشمنی کسی بھی طرح یہودیوں کے دلوں میں موجود دشمنی سے کم نہیں ہے۔ یہ حکمران یہودیوں کے ساتھ ایک ہیں۔ یہ حکمران اپنے آقا بائیڈن کی صیہونیت سے زیادہ صیہونی ہیں۔ لہٰذا سرزمین فلسطین میں امت کے خلاف جو جنگ جاری ہے اسے امت کے خلاف ایک نئی صلیبی جنگ قرار دینا درست ہے۔ اس بار صلیبی جنگ کا میدان، مبارک سرزمین فلسطین ہے۔ یہودیوں کا وجود ایک غلیظ آلے سے زیادہ کچھ نہیں جو صلیبی مغربی تہذیب اور عالمی سرمایہ داری کے گھناؤنے کام کو انجام دیتا ہے۔

فلسطین اور اس کے لوگوں کے بارے میں بات کرنا باقی دنیا اور اس کے لوگوں کے بارے میں بات کرنے کے مترادف نہیں ہے، حالانکہ ساری دنیا اللہ سبحانہ وتعالیٰ، العظیم، المجید کی ہے اور ساری مخلوق اس کی مخلوق ہے لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سرزمین فلسطین کو دوسروں پر فوقیت دی ہے۔ اس سلسلے میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے واضح آیات نازل فرمائیں جو قیامت تک پڑھی جائیں گی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے، ﴿**سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ**﴾ "**پاک ہے وہ (ذات) جو راتوں رات اپنے بندے کو مسجد الحرام یعنی (خانہ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک لے گیا، جس کے ارد گرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں تاکہ ہم اسے اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھائیں۔ بے شک وہ سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے**" (الاسراء 17:1)۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے الخلیل، ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا، ﴿**وَنَجَّيْنَاهُ وَلُوطًا إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا لِلْعَالَمِينَ**﴾ "**اور ابراہیم اور لوط کو اس سرزمین کی طرف بچا نکالا جس میں ہم نے اہل عالم کے لئے برکت رکھی تھی**" (الانبیاء 21:71)۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا، ﴿**وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّقَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ ۭ سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِيَ وَاَيَّامًا اٰمِنِيْنَ**﴾ "**اور ہم نے ان کے اور (شام کی) ان بستیوں کے درمیان جن میں**

ہم نے برکت دی تھی (ایک دوسرے کے متصل) دیہات بنائے تھے جو سامنے نظر آتے تھے اور ان میں آمد و رفت کا اندازہ مقرر کر دیا تھا کہ رات دن بے خوف و خطر چلتے رہو" (السباء، 34:18)۔ اگرچہ تقویٰ لوگوں کے درمیان نیکی کا پیمانہ ہے، لیکن خالق تعالیٰ نے اہلِ شام اور خصوصاً اہلِ فلسطین کو نیکی کی نعمت کے لیے مخصوص کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے شام میں رہنے کی سفارش فرمائی اور فرمایا، **«عَلَيْكَ بِالشَّامِ فَإِنَّهَا خِيَرَةُ اللَّهِ مِنْ أَرْضِهِ يَجْتَبِي إِلَيْهَا خِيَرَتَهُ»، "اپنے اوپر شام کو لازم کر لو، کیونکہ شام کا ملک اللہ کی بہترین سرزمین ہے، اللہ اس ملک میں اپنے نیک بندوں کو جمع کرے گا"** (ابو داؤد، احمد)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **«إن الله عز وجل قد تكفل لي بالشام وأهله» "اللہ نے شام اور اہلِ شام کا میرے لئے ذمہ لیا ہے"** (احمد)۔ ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **« أَوَّلُ هَذَا الْأَمْرِ نُبُوَّةٌ وَرَحْمَةٌ، ثُمَّ يَكُونُ خِلَافَةً وَرَحْمَةً، ثُمَّ يَكُمَا وَرَحْمَةً۔ يَكُونُ إِمَارَةً وَرَحْمَةً، ثُمَّ يَتَكَادَمُونَ عَلَيْهِ تَكَادُمَ الْحُمُرِ فَعَلَيْكُمْ بِالْجِهَادِ، وَإِنَّ أَفْلَمُ بِالْجِهَادِ اَفْضَلَ رَبَاطِكُمْ عَسْقَلَانُ» "اس معاملے (اسلام) کی ابتداء نبوت اور رحمت ہے، پھر خلافت اور رحمت ہو گی، پھر اختیار اور رحمت ہو گی، پھر امارہ اور رحمت ہو گی، پھر اقتدار پر لڑیں گے جیسے گدھے ایک دوسرے سے لڑتے ہیں۔ پس تم جہاد کو مضبوطی سے پکڑو، اور تمہارے جہاد میں سب سے افضل رباط سرحدوں کی حفاظت ہے، اور تمہاری سب سے افضل اور افضل ترین رباط عسقلان ہے"** (الطبرانی)۔ عسقلان غزہ سے 20 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔

اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق ناحق خونریزی جرم ہے، اور یہ کیسا جرم ہے! کہ کوئی بھی اس قانون کے خلاف بغاوت نہیں کرتا، اس کے مطابق بھی جو منسوخ کی گئی تھیں (پچھلی الہامی کتابیں)، سوائے ان مجرموں کے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے قوانین کا انکار کیا، ان میں تحریف کی، ان کے بارے میں جھوٹ بولا اور من گھڑت دلائل کے ساتھ سامنے آئے۔ یہ وہ لوگ تھے جو اللہ تعالیٰ کی بجائے خود قانون ساز بننے پر راضی تھے۔ چنانچہ وہ نئے انسانی نظریات

کے ساتھ آئے جو ملحد اور ہم جنس پرست تھے۔ اس طرح انہوں نے اس خون کو حلال کر دیا جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمان کے ذریعے تحفظ فراہم کیا تھا، ﴿مِنْ أَجْلِ ذَٰلِكَ كَتَبْنَا عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنَّهُ مَن قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا ۚ وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ إِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُم بَعْدَ ذَٰلِكَ فِي الْأَرْضِ لَمُسْرِفُونَ﴾ ''اس قتل کی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ حکم نازل کیا کہ جو شخص کسی کو (ناحق) قتل کرے گا (یعنی) بغیر اس کے کہ جان کا بدلہ لیا جائے یا ملک میں خرابی کرنے کی سزا دی جائے اُس نے گویا تمام لوگوں کو قتل کیا اور جو اس کی زندگانی کا موجب ہوا تو گویا تمام لوگوں کی زندگانی کا موجب ہوا اور ان لوگوں کے پاس ہمارے پیغمبر روشن دلیلیں لا چکے ہیں پھر اس کے بعد بھی ان سے بہت سے لوگ ملک میں حدِ اعتدال سے نکل جاتے ہیں" (المائدہ، 5:32)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، «لاَ يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ إِلاَّ بِإِحْدَى ثَلاَثٍ كُفْرٌ بَعْدَ إِسْلاَمٍ بَعْدَ بَعْدَ إِسْلاَمٍ أَوْ زِنَا نَفْسٍ بِغَيْرِ نَفْسٍ» "مسلمان آدمی کو قتل کرنا جائز نہیں۔ سوائے تین وجوہات میں سے کسی ایک کے: اسلام قبول کرنے کے بعد کفر، شادی کے بعد زنا، یا کسی کو ناحق قتل کرنا، جس کی وجہ سے اسے قتل کیا جائے" (ابو داؤد)۔ بے شک مسلمان کے خون کی حرمت اللہ تعالیٰ کے نزدیک خانہ کعبہ اور ساری دنیا کی حرمت سے زیادہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، «وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَقَتْلُ مُؤْمِنٍ أَعْظَمُ عِنْدَ اللَّهِ مِنْ زَوَالِ الدُّنْيَا» "قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! کسی مومن کا (ناحق) قتل اللہ کے نزدیک پوری دنیا تباہ ہونے سے کہیں زیادہ بڑی چیز ہے" (النسائی)۔ ابن ماجہ نے ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو خانہ کعبہ کا طواف کرتے دیکھا، اور آپ ﷺ یہ فرمارہے تھے: « مَا أَطْيَبَكِ وَأَطْيَبَ رِيحَكِ مَا أَعْظَمَكِ مَا أَعْظَمَكِ مَا أَعْظَمَكَ مَا أَعْظَمَكِ مَا أَعْظَمَكَ مَا أَعْظَمَحَكْ وَأَعْظَمَ حَمَكْ مَحَكْمُ الْحَمْكِ۔ مَّدِ بِيَدِهِ لَحُرْمَةُ الْمُؤْمِنِ أَعْظَمُ عِنْدَ اللَّهِ حُرْمَةً مِنْكِ مَالِهِ وَدَمِهِ وَأَنْ نَظُنَّ بِهِ إِلاَّ خَيْرًا» "تو کتنا پاک ہے، تیری خوشبو کتنی اچھی ہے، تو کتنا بڑے رتبہ والا ہے اور

تیری حرمت کتنی عظیم ہے، لیکن قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے، مومن کی حرمت (یعنی مومن کے جان ومال کی حرمت) اللہ تعالیٰ کے نزدیک تجھ سے بھی زیادہ ہے، اس لیے ہمیں مومن کے ساتھ حسن ظن ہی رکھنا چاہیئے" (ابن ماجہ)

ان شرعی قانونی نصوص اور بہت سی دوسری چیزوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سرزمین فلسطین میں جو جرائم سرزد ہو رہے ہیں وہ سنگین نتائج کے حامل سنگین جرائم ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا، ﴿وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا﴾ "اور جو شخص مسلمان کو جان بوجھ کر مار ڈالے گا تو اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ (جلتا) رہے گا اور اللہ اس پر غضبناک ہوگا اور اس پر لعنت کرے گا اور ایسے شخص کے لئے اس نے بڑا (سخت) عذاب تیار کر رکھا ہے" (النساء، 4:93)۔ جس طرح یہودی، اور ان کے حمائتی مغربی حکومتیں، عرب و مسلم حکمران اس جرم کے لیے اللہ کی سزا کے مستحق ہیں، اسی طرح اگر ایک مسلمان اس ظلم پر خاموش رہا تو وہ بھی اللہ کی رضا حاصل نہیں کر پائے گا۔ ترمذی نے عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: « لَمَّا وَقَعَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ فِي الْمَعَاصِي نَهَتْهُمْ فَلَمَوَهُمْ فَلَمَاؤُهُمْ فَلَمْتُمْ عُلَمَاؤُهُمْ فَلَمْتُمْ عُلَمَاؤُهُمْ مَجَالِسِهِمْ وَوَاكَلُوهُمْ وَشَارَبُوهُمْ فَضَرَبَ اللَّهُ قُلُوبَ بَعْضِهِمْ بِبَعْضٍ وَلَعَنَهُمْ عَلَى لِسَانِ ابْرَهُمْ عَلَى لِسَانِ دَعْمُ عَلَى لِسَانِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ» "جب بنی اسرائیل نافرمانی میں پڑ گئے تو ان کے علمائے کرام نے انہیں اس سے منع کیا تاہم وہ باز نہیں آئے۔ چنانچہ وہ ان کے ساتھ ان کی مجلس میں بیٹھتے اور ان کے ساتھ کھانے پینے میں شریک ہوتے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ایک دوسرے کے خلاف کر دیا اور داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان پر ان پر لعنت بھیجی۔ یہ اس لیے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے تجاوز کرتے تھے"۔ ابو داؤد نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ ابن مسعودؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ ٹیک لگانے کے بعد اٹھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: «كَلَّا، وَاللَّهِ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوفِ، وَلَتَنْهَوُنَّ عَنْ الْنَكُمْ عَنْكُمْ عَنْكُمْ الْنِخْرِ۔ نَدِ الظَّالِمِ،

ولَتَأْطِرُنَّهُ عَلَى الْحَقِّ أَطْرًا ولَتَقْصُرُنَّهُ عَلَى الْحَقِّ قَصْرًا، أَوْ لَيَضْرِبَنَّ اللهُ بقُلُوبِ بَعْضِكُمْ عَلَى بَعْضٍ، كُمَّ لَيَلْعَنَكُمْ، كَمَّ لَعَنَهُم» "یاتو نیکی میں شامل ہونا اور برائی سے منع کرنا اور ظالم کا ہاتھ پکڑنا اور اسے انصاف کرنے اور حق پر قائم رہنے پر آمادہ کرنا۔ یا اللہ تم میں سے بعض کے دلوں کو بعض کے دلوں کے ساتھ ملادے گا اور تم پر لعنت کرے گا جیسا کہ اس نے اُن (یہود) پر لعنت کی تھی"۔

دوارب کی امت، اپنی بڑی فوجوں کے ساتھ، یہود کے ہاتھ پکڑنے اور کاٹ ڈالنے کی بہت طاقت رکھتی ہے جن سے اللہ تعالیٰ ناراض ہے۔ یہود کا جب بھی میدان جنگ میں، محفلوں اور فکر و علم کے میدانوں میں مردوں سے مقابلہ ہوا ہے انہوں نے اپنی بزدلی اور کمتری ثابت کی ہے۔ اس حقیقت کی خود یہود اور ساتھ ہی ان لوگوں نے بھی تصدیق کی ہے جو ان سے پہلے مغربی صلیبی طاقتوں میں سے تھے۔ کسی کے لیے خاموش رہنے کا کوئی جواز نہیں۔ سرزمین مبارک میں مظلوموں کے لیے مدد مانگنا ہر ایک پر فرض ہے، چاہے وہ سپاہی ہی کیوں نہ ہو۔ الاوزاعیؒ نے کہا، (ما من مسلم إلا وهو قائم عَلَى ثَغْرَةٍ مِنْ ثُغَرِ الإِسْلامِ، فمن استطاع ألا يُؤْتَى الإِسْلامُ من ثغرته فَلِعَلَ) "کہا گیا کہ کوئی مسلمان نہیں ہے جو سرحد پر اسلام کی حفاظت کے لیے کھڑا نہ ہو۔ لہٰذا جو کوئی اسلام کو مجروح ہونے یا اس پر ہونے والے حملے کو روک سکتا ہے، وہ ایسا کرے"۔ عالم، پڑھے لکھے، ڈاکٹر، چوکیدار اور عام لوگوں پر یہ شرعی فریضہ ہے کہ وہ فوجوں کو اپنے فرض کی ادائیگی کے لیے پکاریں۔ اب یہ بات سمجھ آگئی ہے کہ فلسطین کی آزادی صرف مسلم مسلح افواج کے جہاد کے ذریعے ہی ہو گی۔ لہٰذا یہودیوں کے وفادار حکمرانوں، ان کی حمایت کرنے والوں اور امت کو اپنے بھائیوں کی حمایت سے روکنے والوں کا تختہ الٹ دینا چاہیے۔ لشکروں کو اس چیز کے لیے متحرک ہونا چاہیے جس کے لیے انہوں نے خود کو تیار کیا ہے، یعنی نبوت کے نقش قدم پر قائم خلافت کے زیر سایہ اللہ کی راہ میں جہاد۔

جس طرح یہودیوں کو پسپا کرنا مسلمانوں پر فرض ہے، اسی طرح مشرق و مغرب کے غیر مسلموں پر بھی لازم ہے کہ وہ ان جرائم کی مذمت کریں اور اپنی ان حکومتوں کو مسترد کریں جو بدی کا ساتھ دے رہی ہیں اور قتل عام پر خاموش ہیں۔ مغربی ممالک جو اس بدمعاش ریاست کی حمایت کرتے ہیں، مسلم امت کے بیٹوں میں فساد پھیلا کر اپنے مفادات کی تکمیل کرتے ہیں۔ وہ اس بدمعاش ریاست کی اس لیے بھی حمایت کرتے ہیں تاکہ اس بات کو یقینی بنایا جاسکے کہ مسلمان اس الٰہی نظام، نبوت کے نقش قدم پر قائم خلافت کے تحت یکجا نہ ہوں سکیں۔ یہ خلافت ہی تھی جس نے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے ساتھ اللہ کے حکم اور قانون کے مطابق انصاف کیا تھا۔ عوام کے لیے بادل چھٹ گئے ہیں۔ یہودیوں کی حقیقت اکثر لوگوں پر واضح ہوگئی ہے، جو ایک ایسی سرزمین میں آباد ہوئے، جو ہمارے آقا موسیٰؑ کے زمانے سے ان پر حرام تھی، ایک ایسی اسلامی سرزمین جو ان کی نہیں تھی، جس پر انہوں نے غاصبانہ طور پر قبضہ کیا۔ یہود کی حقیقت اس طرح سے واضح ہوگئی ہے کہ اب تمام لوگ ان پر لعنت بھیجتے ہیں۔ اگر دنیا کے لوگ اپنے ظالم لیڈروں کے بارے میں خاموش رہے اور انہیں اپنا نمائندہ مان لیا تو وہ جرم میں ساتھی شمار ہوں گے۔ مسلم امت خود کو نقصان پہنچانے والوں کو نہیں بھولے گی اور نہ ہی اس کے ساتھ انصاف کرنے والوں کے ساتھ ناانصافی کرے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، **﴿لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْالَّذِيْنَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَى ذَلِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيسِينَ وَرُهْبَانًا وَأَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ﴾** "(اے پیغمبر ﷺ!) تم دیکھو گے کہ مؤمنوں کے ساتھ سب سے زیادہ دشمنی کرنے والے یہودی اور مشرک ہیں اور دوستی کے لحاظ سے مومنوں سے قریب تر ان لوگوں کو پاؤ گے جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ (عیسائی) ہیں، یہ اس لیے کہ ان میں عالم بھی ہیں اور مشائخ بھی اور وہ تکبر نہیں کرتے" (المائدہ، 5:82)

فہرست

اُسید بن حضیرؓ

الواعی میگزین شمارہ 258-259 سے ترجمہ

اُسیدؓ کے والد حضیر الکتائب قبیلہ اوس کے سردار، عربوں کے سینئر رہنما اور دورِ جاہلیت میں ایک پرجوش جنگجو تھے۔ اُسیدؓ نے مقام و مرتبہ، بہادری، اور دیگر خواص اپنے والد سے ورثے میں حاصل کیے۔ اسلام قبول کرنے سے قبل اسید مدینہ کے ایک سردار اور عربوں میں شرفاء کا درجہ رکھتے تھے۔ انہیں نیزہ بازی میں کمال حاصل تھا۔ جب انھوں نے اسلام قبول کیا اور راہِ راست کی طرف ان کی راہنمائی ہوئی تو ان کا مقام و مرتبہ جانا پہچانا تھا۔ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے انصار اور قبولِ اسلام میں سبقت کرنے والوں میں شامل ہیں۔ انھوں نے اسلام کی قبولیت میں کسی قسم کی پس و پیش سے کام نہ لیا اور ان کا اسلام لانا پہلے دن سے حتمی و راسخ تھا۔

جب رسول اللہ ﷺ نے عقبہ کی پہلی بیعت کے بعد مصعب بن عمیر کو مدینہ بھیجا تاکہ وہ انصار کے ان مسلمانوں کو اسلام سکھائیں، جنہوں نے عقبہ میں آپ ﷺ سے پہلی بیعت کی تھی، اور اُن میں اسلامی طرزِ فکر کی بنیاد ڈالی جائے، اور مدینہ کے دیگر لوگوں کو اسلام کی دعوت دی جائے۔ تو واقعہ یوں ہوا کہ اُسیدؓ اور سعدؓ بن معاذ، دونوں سردار اکٹھے بیٹھے ہوئے تھے اور آپس میں اس نئے دین اسلام کے موضوع پر گفتگو کر رہے تھے جو کہ مکہ سے ان کے علاقے میں آیا ہوا تھا اور اُنہیں ایسے اُمور کی دعوت دے رہا تھا، جو اُن کے لیے اجنبی تھے۔ پس سعد نے اُسید سے کہا:- جاؤ اور اس شخص (مصعب) کے پاس جاؤ اور اس سے اس معاملے کے بارے میں پوچھو"۔ اُسیدؓ نے اپنا نیزہ اٹھایا اور مصعب کی جانب چل پڑے جو کہ اسعد ابن زرارہ کے مہمان کے طور پر تشریف فرما تھے۔ اسعد ابن زرارہ بھی مدینہ کے ایک سردار تھے اور اسلام قبول کر چکے تھے۔ اُسیدؓ نے دیکھا کہ لوگوں کا ایک گروہ مصعب کے کلام کو انتہائی توجہ سے سن رہا ہے، جو کہ انھیں اسلام کی جانب دعوت دے رہے تھے۔ اسید نے ان لوگوں کو اپنی غصیلی گفتگو سے چونکا دیا۔

مصعب نے اسید سے کہا: تشریف رکھیں اور سنیں... اگر آپ کو یہ باتیں پسند آجائیں تو قبول کر لیجئے اور اگر پسند نہ آئیں تو رہنے دیں۔ اسید کھلے دل و دماغ اور دانا سوچ کے مالک تھے اور اپنے لوگوں میں 'الکامل' کے نام سے مشہور تھے۔ اور یہ خطاب 'الکامل'' یعنی مکمل انہیں اپنے والد سے وراثت میں ملا تھا۔ جب اسید نے دیکھا کہ مصعب اس کی عقل و دانش کو خطاب کر رہے ہیں تو آپ نے اپنا نیزہ زمین میں گاڑا اور بیٹھ گئے اور مصعب سے کہا'' ... یہ انصاف کی بات ہے، بتاؤ تمہارے پاس کیا ہے؟ ''

مصعب نے قرآن کا ایک حصہ اسید کے لیے تلاوت کیا اور اس نئے دین کی دعوت کی وضاحت کی، اور اس دینِ حق کی طرف بلایا، جس کو پھیلانے اور سربلند کرنے کا رسول اللہ ﷺ نے مصعب کو حکم دیا تھا۔ اس محفل میں موجود لوگوں نے بعد میں اس واقعے کو یوں روایت کیا:

اللہ کی قسم! ان کے بولنے سے پہلے ہی ہم ان کے چہرے پر اسلام کو پہچان رہے تھے... وہ چمک جو ان کے چہرے پر جھلک رہی تھی!

مصعب نے ابھی اپنی بات ختم بھی نہیں کی تھی کہ اسیدؓ بے ساختہ بول اٹھے: واہ کیا خوبصورت راستہ ہے یہ۔ جب کوئی یہ دین قبول کرتا ہے تو وہ کیا طریقہ کار اختیار کرتا ہے؟ مصعب نے جواب دیا کہ وہ اپنے جسم اور لباس کی طہارت کے بعد حق کی شہادت دیتا ہے اور دو رکعت نماز پڑھتا ہے...۔

اسیدؓ ایک مستقل مزاج اور استقامت پر مبنی شخصیت کے مالک تھے۔ ایک ایسی خالص شخصیت کہ جب وہ کسی امر کے قائل ہو جاتے تو پھر کوئی چیز ان کے عزم کو ہلا نہیں سکتی تھی۔ پس انہوں نے کسی توقف اور تاخیر کے بغیر دینِ اسلام کو قبول کر لیا۔ انھوں نے طہارت حاصل کرنے کے بعد اللہ کی عبادت کی، اپنے قبولِ اسلام کا اعلان کیا اور اپنے دورِ جاہلیت اور بت پرستی کو ہمیشہ کیلئے خیر باد کہہ دیا۔ اب انھیں سعدؓ بن معاذ کے پاس جانا تھا اور ان کو اس مشن کے بارے میں رپورٹ کرنا تھا جس کیلئے سعد نے ان کو بھیجا تھا، یعنی مصعب بن عمیر کو ڈانٹنا اور ان کے علاقے سے نکالنا۔

جب وہ سعدؓ کی طرف واپس گئے تو سعد نے اپنے گرد لوگوں سے کہا: واللہ ! اسید جن تاثرات کے ساتھ آرہا ہے یہ اس سے مختلف ہے جس کے ساتھ وہ گیا تھا"۔

بے شک اسیدؓ جاتے وقت غصے، دشمنی اور تلخی کے جذبات کے ساتھ گئے تھے اور جب وہ واپس لوٹے تو اطمینان، رحمت اور آگہی سے لبریز تھے۔ اسید نے اپنی عقلمندی کا اچھا استعمال کرنے کا فیصلہ کیا، وہ جانتے تھے کہ سعد رضي الله عنہ اخلاص، عزم، استقامت اور عادلانہ سوچ میں ان کے ہم مثل ہیں۔

وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اگر سعد وہ سب کچھ سن لے جو اس نے مصعب بن عمیر، نمائندہ رسول اللہ ﷺ ، سے سن لیا ہے، تو سعد اور اسلام کے بیچ کوئی رکاوٹ حائل نہیں ہو سکتی۔ لیکن وہ اس امر سے بھی واقف تھے کہ اگر انہوں نے سعد کے سامنے اپنے اسلام کا ذکر کر دیا تو یہ ایسے ٹکراؤ کا باعث ہو سکتا ہے کہ جس کے نتائج غیر یقینی ہوں گے۔ اسلئے انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ سعد کے جوش کو مزید ہوا دیں گے تاکہ سعد بھی وہاں چلے جائیں جہاں وہ گئے تھے اور وہی کچھ دیکھیں اور سنیں جو انہوں نے دیکھا اور سنا تھا۔

اب سوال یہ تھا کہ یہ کیسے کیا جائے؟ جیسا کہ پہلے ذکر ہوا کہ مصعب ابن عمیر مدینہ میں اسعد ابن زرارہ کے مہمان تھے جو کہ سعدؓ بن معاذ کی خالہ کے بیٹے تھے۔ پس اسیدؓ نے سعدؓ سے کہا: "میں نے سنا ہے کہ بنی حارثہ اسعد بن زرارہ کو قتل کرنے کی نیت سے آئے ہیں اور وہ یہ جانتے ہیں کہ وہ تمہارا خالہ زاد ہے..."۔ پس سعدؓ غصے سے اٹھ کھڑے ہوئے، اپنی تلوار اٹھائی اور تیزی کے ساتھ ادھر گئے جہاں مصعب، اسعد بن زرارہ اور دیگر مسلمانوں کیساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ اسعد بن زرارہ نے جب سعد کو آتے دیکھا تو مصعب سے کہا: آپ کے پاس ایسا سردار آرہا ہے کہ جس کی قوم اس کے پیچھے چلتی ہے، اگر اس نے آپ کی بات مان لی تو اس کی پوری قوم اس کی پیروی کرے گی۔

جب سعدؓ بن معاذ قریب پہنچے تو انہوں نے وہاں کوئی ہلچل اور شور و غوغا نہ دیکھا اور لوگ وہاں انتہائی اطمینان اور سکون کے ساتھ مصعب کے پاس بیٹھے ہوئے تھے جو قرآن کی تلاوت کر رہے تھے اور لوگ انتہائی توجہ اور انہماک سے تلاوت کو سن رہے تھے۔ پس وہ جان گئے کہ یہ دراصل اسید بن حضیر کی چال تھی تاکہ وہ سفیرِ اسلام مصعب کی

گفتگو سن سکیں۔ اسیدؓ کی اپنے دوست کے بارے میں فہم وفراست درست ثابت ہوئی اور سعدؓ نے ابھی چند الفاظ ہی سنے تھے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کا سینہ اسلام کے نور کیلئے کھول دیا... سعدؓ نے جلد ہی اولین مسلمانوں میں نمایاں مقام حاصل کر لیا۔

اسید کا دل استقامت اور اسلام کی روشنی سے منور تھا۔ ایمان کی طاقت نے ان میں صبر، فراست اور قوتِ فیصلہ کی خوبیاں نکھار دی تھیں۔ غزوہ بنی مصطلق کے دوران جب منافقین کا سردار عبداللہ بن ابی طیش میں آگیا اور اپنے ارد گرد موجود مدینہ کے لوگوں سے کہا: تم لوگوں نے اپنا شہر ان مسلمانوں کے حوالے کر دیا ہے اور تم لوگوں نے ان میں اپنی دولت بانٹ دی ہے... تمہارے ہاتھ میں جو کچھ ہے اگر تم انہیں یہ دینا بند کر دو تو یہ یہاں سے کہیں اور چلے جائیں گے... بہر حال، اللہ کی قسم جب ہم مدینہ پہنچیں گے، تو عزت والا ذلت والے کو نکال باہر کرے گا۔ ایک صحابی زید بن ارقم نے جب زہر آلود اور منافقت پر مبنی یہ الفاظ سنے، تو انہوں نے اپنے فرض کے مطابق رسول اللہ ﷺ کو اس سے آگاہ کر دیا۔ نبی ﷺ کو یہ سن کر انتہائی تکلیف پہنچی۔ جب اسید نبی ﷺ سے ملے تو نبی ﷺ نے پوچھا: **أوما بلغك ما قال صاحبكم..؟؟قال أسيد: وأيّ صاحب يا رسول الله..؟؟قال الرسول: عبدالله بن أبيّ!!قال أسيد: وماذا قال..؟؟قال الرسول: زعم أنه إن رجع إلى المدينة ليخرجنّ الأعز منها الأذل.قال أسيد: فأنت والله، يا رسول الله، تخرجه منها إن شاء الله.. هو والله الذليل، وأنت العزيز...ثم قال أسيد:"يا رسول الله ارفق به، فوالله لقد جاءنا الله بك، وان قومه لينظمون له الخرز ليتوّجوه على المدينة ملكاً، فهو يرى أن الاسلام قد سلبه ملكاً"** "کیا تم نے اپنے ساتھی کے الفاظ سنے ہیں؟ اسید نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! کس ساتھی کی بات کر رہے ہیں؟ نبی ﷺ نے جواب دیا: عبداللہ بن ابی۔ اسیدؓ نے پوچھا: اس نے کیا کہا ہے؟ نبی ﷺ نے جواب دیا: وہ کہتا ہے کہ جب ہم مدینہ پہنچیں گے تو عزت والا ذلیل کو نکال باہر کرے گا۔ اسید نے کہا: انشاءاللہ، یارسول اللہ ﷺ، یہ آپ ﷺ ہونگے جو اسے نکال باہر کریں گے۔ بے شک آپ عزت والے ہیں اور اللہ کی قسم! وہ ذلت والا ہے۔ مزید کہا: یارسول اللہ ﷺ! اسے چھوڑ دیں، جب

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آپ ﷺ کو ہمارے پاس بھیجا تو اس وقت مدینہ کے لوگ اس کیلئے تاج تیار کر کے اسے بادشاہ بنانے والے تھے، پس وہ یہ سوچتا ہے کہ اسلام نے آکر اس کی بادشاہت چھین لی ہے"۔

معاملات کی اس طرح کی گہری، واضح اور متوازن سمجھ کے باعث اسید نازک معاملات کو خوش اسلوبی سے حل کر لیا کرتے تھے۔ وہ جب بھی کسی مسئلے کا سامنا کرتے تو تمام عوامل کو زیر غور لا کر معاملے کو سلجھاتے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے موقع پر سقیفہ بنی ساعدہ میں، جب سعد بن عبادہ کی قیادت میں انصار کے ایک گروہ نے یہ اعلان کر دیا کہ خلافت انصار کا حق ہے اور یہ امر طول پکڑ گیا اور کچھ گرما گرمی پیدا ہو گئی۔ تو اس نازک موقع پر اسید، جو کہ خود بھی ایک انصاری تھے، کے انتہائی زبردست اور غیر متزلزل موقف نے اس مسئلے کا حتمی طور پر خاتمہ کر دیا۔ وہ کھڑے ہوئے اور اپنے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا: تم جانتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ خود بھی مہاجرین میں سے تھے، اس لیے ان کا خلیفہ بھی مہاجرین میں سے ہونا چاہئے۔ اور ہم نبی ﷺ کے انصار اور محافظ تھے۔ پس آج ہم ان کے خلیفہ کے بھی انصار اور محافظ ہونگے..."۔ اسید کے الفاظ نے گفتگو کی سمت متعین کر دی اور تنے ہوئے اعصاب کی شدت کم کر دی، اور گرم روئی کا خاتمہ ہو گیا۔

پوری زندگی اسید اللہ کے سچے اور تابعدار بندوں کی طرح رہے۔ ان کی زندگی قناعت، اطمینان اور صبر و شکر کی تصویر تھی۔ ان کی زندگی اور مال و اسباب نیک مقصد میں خرچ ہوئے اور اس جدوجہد میں ان کی زندگی بیت گئی کہ وہ حوض کوثر پر رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کریں گے جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا تھا: **اصبروا.. حتى تلقوني على الحوض..."پس صبر کرو! یہاں تک کہ تم حوض کوثر پر مجھ سے ملو"۔**

اسید اپنے دوستوں سے محبت کرتے تھے اور امیر المؤمنین عمر اور دیگر صحابہؓ ان کی انتہائی تکریم کرتے تھے۔ وہ قرآن کے زبردست قاری تھے۔ صحابہ کرامؓ ان کی قرات سننے کے لیے انتہائی مشتاق رہتے تھے۔

یہ دل کو لبھانے والی، اللہ کے خوف سے بھرپور آواز ہی تھی کہ جس کے بارے میں نبی ﷺ نے فرمایا کہ اس آواز کو سننے کیلئے فرشتے آسمانوں سے اترتے ہیں۔ اُسیدؓ شعبان بیس ہجری کو خالقِ کائنات سے جا ملے اور امیر المومنین

عمر نے خود اپنے کندھوں پر ان کا جنازہ اٹھایا اور انہیں بقیع کے قبرستان میں دفن کیا۔ صحابہؓ نے ایک آخری بار اس عظیم مؤمن کا دیدار کیا اور مدینہ لوٹ گئے اور ان کے فضائل اور اسید کے بارے میں نبی ﷺ کے اس ارشاد کو یاد کرتے رہے، جب آپ ﷺ نے فرمایا: **نعم الرجل... أسيد بن حضير.. "کیا ہی اعلیٰ شخص ہیں اسید ابن حضیر !!"**

فہرست

جمہوری مغرب میں سیاسی عوام پرستی (Populism) کے عروج کی نشانیاں

تعارف:

پاپولزم (عوام پرستی) کی اصطلاح حالیہ برسوں میں مغربی سیاسی حلقوں میں ہونے والے مباحثوں اور مغرب میں ہونے والے ہر انتخابات کے سیاسی تجزیوں اور تبصروں میں بہت مقبول ہوئی ہے۔ مثال کے طور پر، یورپی یونین سے برطانیہ کے اخراج، "Brexit" اور گزشتہ امریکی صدارتی انتخابات کے دوران، اس کے بارے میں کافی بات کی گئی ہے۔ اس اصطلاح کے معنی کیا ہیں، اس کے مقاصد کیا ہیں، اور اس کی سب سے نمایاں سیاسی خصوصیات، اس کے ابھرنے کی وجوہات اور اس کے اثرات کیا ہیں؟

پاپولزم (عوام پرستی) کی تعریف:

اولاً "عوام پرستی" (Populism) اور "مقبولیت" (Popularity) کے درمیان فرق کرنا مناسب ہوگا۔ مؤخر الذکر (مقبولیت) (Popularity) کا تعلق لوگوں سے ہے اور اس کا مطلب ہے لوگوں کا کسی شخصیت کو پسند کرنا اور اسے قدر کی نگاہ سے دیکھنا۔ لہٰذا یہ کہا جاتا ہے کہ وہ بہت مقبولیت کے مزے لوٹ رہا ہے۔ جہاں تک عوام پرستی (Populism) کا تعلق ہے تو اس اصطلاح سے مراد ایک قسم کا سیاسی نظریہ یا سیاسی رجحان ہے، جو مغربی معاشروں میں ایک سیاسی بحث کی نمائندگی کرتا ہے۔ یہ حکومت میں نام نہاد بدعنوان "اشرافیہ" یا سیاست، معیشت، ثقافت اور میڈیا میں موجود "اسٹیبلشمنٹ" کے خلاف عوام کے مفادات کا دفاع کرنے کا دعویٰ کرتا ہے۔ یہ نظریہ اشرافیہ پر اپنے ذاتی مفادات یا اکثر دوسرے گروہوں، جیسے بڑی کارپوریشنوں، اجنبی ممالک یا تارکین وطن کے مفادات کو عوام کے مفادات سے بالاتر رکھنے کا الزام لگاتا ہے۔ عوام پرستی، پرکشش شخصیت کے حامل سیاست دانوں کی جانب سے ایک مخصوص عوامی بحث کے ذریعے ایک براہ راست اور مقبول حمایت کی تلاش ہے، ایسی بحث جو روایت پسند جمہوری اداروں کو چیلنج کرے۔ پرنسٹن یونیورسٹی کے مارک فلورے (Marc Fleurbaey) کے مطابق:

"جدید پاپولسٹ تحریکیں بے شمار جمہوری ممالک میں پائی جانے والی موجودہ بے چینی کا ایک واضح اظہار ہیں"۔ یوں سیاست دان سیاسی مقاصد کے لئے لوگوں کے جذبات اور خیالات سے کھیلتے ہیں، اور خود کو ایک مستند قومی آواز اور عام شہریوں یا فراموش کردہ طبقات کے نمائندے کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

فرانسیسی زبان کی لغت "Le Petit Robert De La Langue Francaise of 2013"، میں "پاپولزم" کی تعریف کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ "حکومت، اس کے عہدیداروں اور اشرافیہ پر تنقید پر مبنی ایک سیاسی گفتگو"۔ سیاست کے اس تصور کے ساتھ، عوام پرستی (پاپولزم) کا نظریہ عام طور پر ایک پرکشش شخصیت کے حامل سیاسی رہنما کے گرد گھومتا ہے جو اپنی ذاتی طاقت کو مستحکم کرنے، اپنی مقبولیت میں اضافہ کرنے اور موجودہ سیاسی جماعتوں، ان کے روایتی سیاسی پلیٹ فارمز اور ذرائع کی قیمت پر اپنے آپ کو دوبارہ منتخب کروانے کے لئے عوام کی خواہش کو عملی جامہ پہنانے کا دعویٰ کرتا ہے۔

پاپولزم (عوام پرستی) کے اہداف:

عوام پرست سیاست دان اور عوام پرست سیاست، جمہوری اداروں اور بااثر سیاسی اشرافیہ کو آڑے ہاتھوں لیتے ہیں۔ ایک عوام پرست سیاست دان ان سے دشمنی کا اعلان کرتا ہے۔ وہ معاشرے میں عام غیر سیاسی فرد کی طرف رخ کرتا ہے۔ اسے اپنے انتخابی مقاصد کے لیے پرکشش نعروں کے ذریعے متحرک کرتا ہے۔ لہٰذا اس کے لیے عوام کا موقف نہیں بلکہ عوام کی آواز اہمیت رکھتی ہے۔ آسٹریا کی دائیں بازو کی فریڈم پارٹی کے رہنما نوربرٹ ہوفر (Norbert Hofer) نے 2016 کے آسٹریا کے صدارتی انتخابات کے دوران اپنے حریف کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ "معاشرے کی اشرافیہ آپ کے پیچھے ہے، لیکن عام لوگ میرے ساتھ ہیں"۔ اس طرح عوام پرستی مغرب میں انتخابات جیتنے کا ایک اہم ذریعہ ہے، جو حکومت اور سیاست میں سیاستدانوں کی سیاسی زندگی کو طول دیتا ہے۔

عوام پرستی کے ابھرنے اور اس کے عروج کی وجوہات:

سرمایہ دارانہ مغرب میں سیاسی و سماجی، ثقافتی اور اقتصادی عوام پرستی کے ابھرنے اور قوم پرست دائیں بازو کی جماعتوں کی رکنیت اور فعالیت میں اضافہ اور ان کے پرجوش عوامی نعروں کی درج ذیل وجوہات ہیں:

اول: مغربی معاشروں میں انفرادیت اور تابعیت (subjectivity) کی بڑھتی ہوئی اقدار، جو انہیں اپنی تنگ حدود میں سوچنے اور اپنے مفادات کی حد تک رہنے پر مجبور کرتی ہیں۔

دوسرا: مغرب میں شناخت اور انا پرستی کے بڑھتے ہوئے رجحانات، تنگ نظر قوم پرستی، ایک دوسرے کا خوف، اور اس کے نتیجے میں بدترین نسل پرستی۔

تیسرا: غیر مقامی شہریوں، تارکین وطن اور پناہ گزینوں کے حق میں مغربی ممالک کی آبادیاتی تبدیلیاں۔

چوتھا: مغرب میں سماجی تبدیلیاں، جیسے کثیر الثقافتیت (multiculturalism)، حد سے زیادہ عالمگیریت (globalization)، سیاسی اور ثقافتی کمزوری، جبکہ آزادی کے غلط تصور کی وجہ سے اخلاقیات اور اقدار کے بڑے پیمانے پر زوال کا تو ذکر ہی نہ کریں۔

پانچواں: مغرب میں معاشی عدم تحفظ، کمزور اقتصادی ترقی اور معاشی سکڑاؤ، لوگوں کے درمیان آمدنی اور دولت میں بڑھتی ہوئی عدم مساوات، اور اس کے نتیجے میں بڑھتی ہوئی بے اطمینانی۔ یورپ میں عوام پرست جماعتوں کے ابھرنے کی ایک وجہ معاشرے میں حقیقی بحران ہیں جیسے کہ بینکنگ کا بحران جو خود مختار قرضوں کے بحران (sovereign debt crises) میں بدل گیا، خاص طور پر 2011ء میں، جب پورے معاشرے میں اس بحران کا ذمہ دار اشرافیہ یا امیر بینکروں کو ٹھہرایا گیا۔

چھٹا: موقع پرست اور بدعنوان عوام پرست کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ سادہ لوح ووٹروں کو انہیں ووٹ دینے کے لیے متحد کریں، اس مقصد کے حصول کے لیے وہ انہیں گمراہ کر کے جو تصویر پیش کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ انہیں "اسلام

پسندی"(Islamism)اور "اسلامی علیحدگی پسندی"(Islamic Separatism)جیسے مشترکہ خطرے کا سامنا کرنا ہے، جیسا کہ میکرون(Macron)فرانس میں اس نام نہاد خطرے کو فروغ دے رہا ہے۔

ساتواں: مغرب میں لوگوں میں بڑھتا ہوا یہ تاثر اور احساس کہ ان کی سیاسی جماعتیں ایک جیسی ہو گئی ہیں، ایک دوسرے سے زیادہ مختلف نہیں ہیں، اور یہ کہ وہ بانجھ ہیں، ان کے مفادات کی نمائندگی بہت کم کرتی ہیں، اور یہ کہ سیاست ایک بدعنوان عمل ہے خاص طور پر جب وہ اپنے ارد گرد سیاست دانوں کی کرپشن دیکھتے ہیں، جس سے عوام کے سیاست دانوں پر اعتماد کو ٹھیس پہنچی ہے۔ لہٰذا لوگ ایک نئے قسم کے رہنما کی تلاش کے لئے تیار ہیں، خواہ وہ ان کے اداروں سے انحراف ہی کیوں نہ کرے۔

آٹھواں: عام طور پر مغربی معاشروں میں نظریاتی زوال کا چھا جانا، جس کے نتیجہ میں لوگ عوام پرست سیاسی چہروں کی حمایت کرتے ہیں جو پیچیدہ سیاسی اور سماجی مسائل کے لئے بہت سادہ خیالات پیش کرتے ہیں، لیکن اکثر اوقات وہ ناقابل حصول ہوتے ہیں۔ پاپولسٹ قیادتیں پرکشش اور گمراہ کن جھوٹے نعروں پر انحصار کرتی ہیں جیسے مثلاً: "ہم عوام ہیں"، "تمام طاقت عوام کی ہے"، "فرانس فرانسیسیوں کے لئے ہے"، "امریکہ سفید فام امریکیوں کے لئے ہے" یا "امریکی خواب کا دفاع کریں"، وغیرہ۔ لیکن جب وہ اقتدار میں آتے ہیں تو حقیقت میں کوئی مؤثر اور ٹھوس حل پیش نہیں کرتے۔

عوام پرستی(Populism)کی خصوصیات اور عوام پرستوں(Populists)کا طرز عمل:

پہلی بات تو یہ ہے کہ: "پاپولزم" کی اصطلاح اکثر اوقات سیاست دانوں پر تنقید اور مذمت کرنے کے لیے استعمال کی جاتی ہے کیونکہ وہ اپنے انتخابی مفادات کے لیے لوگوں کے خوف اور جوش و خروش کو استعمال کرتے ہیں۔ برا اخلاق یا غیر مہذب طرز عمل، جو سیاست دانوں کا طریقہ نہیں ہے، ایک عوام پرست رہنما سے وابستہ سب سے نمایاں خصوصیات ہیں۔ ڈونلڈ ٹرمپ اس کی ایک مثال ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ: اگرچہ عوام پرستی بالآخر جمہوریت کا حصہ ہے، لیکن مغرب میں عوام پرست قوتیں وہاں جمہوری پالیسیوں کے سامنے روز افزوں چیلنج پیدا کر رہی ہیں اور ایک طرح کی مطلق العنانیت کی شکل اختیار کر رہی ہیں۔ اس کی خاصیت انتہا پسند قوم پرستی (chauvinism)، نسل پرستی، دوسرے ممالک کے لوگوں سے نفرت کا اظہار (xenophobia) اور تحفظ پسندی (protectionism) کی تمام شکلیں ہیں۔ اس کا جھکاؤ سازشیں کرنا، انسانی حقوق کا مذاق اڑانا اور پسماندہ گروہوں، اقلیتوں اور تارکین وطن کو قربانی کا بکرا بنانے کی جانب ہوتا ہے۔

تیسرا: عوام پرستی، قائد کے اختیار کو مستحکم کرنے، عوام کی توجہ کو اس کی ناکامیوں سے ہٹانے، یا عوام سے ہر قسم کے سیاسی مسائل کی حقیقت اور اصل وجوہات کو چھپانے کا کام کرتا ہے۔ عوام پرست رہنما، اشرافیہ اور اسٹیبلشمنٹ کو مسلسل حملوں کا نشانہ بناتا ہے۔ وہ پیچیدہ جمہوری نظاموں سے نفرت کا سا رویہ رکھتا ہے، اور باقاعدگی سے سیاسی مخالفین کی کردار کشی کرتا اور انہیں غدار قرار دیتا ہے۔ اس کی عوام پرست بیان بازی کا مواد ہمیشہ جارحانہ ہوتا ہے اور سوچ اور سیاست میں منفی ہوتی ہے۔

دوسری طرف عوام پرست اپنے لوگوں کو یہ باور کرانے کے لئے مسلسل مہم چلا رہا ہوتا ہے کہ وہ اداروں سے جڑا ہوا نہیں ہے بلکہ وہ "عوام" میں سے ہے۔ وہ عام اور فراموش کردہ لوگوں کے حقوق کو جواز بنا کر اداروں کی توہین کرتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ ووٹروں سے براہ راست بات چیت کرنے کو ترجیح دیتا ہے، مثال کے طور پر، ٹویٹر اور فیس بک کے ذریعے۔ ٹرمپ نے اگست 2016 میں وال اسٹریٹ کے خلاف ٹویٹر کا مؤثر استعمال کیا۔ اُس نے اگست 2015 میں CBS کے پروگرام "Face the Nation" پر ایک ٹیلی فون انٹرویو میں اپنے موقف کی وضاحت کی۔ ٹرمپ نے منتخب ہونے پر ٹیکس قوانین میں اصلاحات کا عزم ظاہر کیا اور کہا کہ موجودہ نظام متوسط طبقے کے امریکیوں کو نقصان پہنچا رہا ہے جنہیں اس وقت وال سٹریٹ کے تاجروں کے مقابلے میں زیادہ ٹیکس کی شرح کا سامنا ہے۔ اس نے کہا، "یہ غلط بات ہے۔ یہ لوگ قتل کر کے فرار ہو رہے ہیں۔ میں متوسط طبقے کے لیے یہ شرح جات کم کرنا چاہتا ہوں"۔

چوتھا: عوام پرست جماعتیں اپنے سیاسی منظر نامے پر کہیں بھی موجود ہو سکتی ہیں۔ یہ دائیں بازو کی ہو سکتی ہیں اور جنہیں "قوم پرست عوام پرستی" (nationalist populism) اور "دائیں بازو کی قوم پرستی" کا نام دیا جاتا ہے، اور اس کے رہنما آمر اور یہاں تک کہ فاشسٹ (fascist) بھی ہوتے ہیں، جیسے فرانس میں میرین لی پین (Marine Le Pen)، ہنگری میں وکٹر اوربن (Viktor Orbán)، امریکہ میں ٹرمپ اور ٹی پارٹی تحریک (Tea Party movement)، جرمنی میں آلٹرنیٹیو (Alternative for Germany - AfD)، اٹلی میں فائیو اسٹار موومنٹ (Five Star Movement)، نیدرلینڈز میں پارٹی فار فریڈم (Party for Freedom)، برٹش انڈی پینڈنس پارٹی (British Independence Party) اور آسٹریا میں فریڈم پارٹی (Freedom Party)۔ یہ سبھی جماعتیں آمرانہ، تارکین وطن مخالف اور غیر ملکیوں کی مخالف ہیں۔ یہ ہمیشہ امتیازی اور تفرقہ انگیز پالیسیوں کی تجویز پیش کرتی ہیں۔ پھر عوام پرستی بائیں بازو کی بھی ہو سکتی ہے، جیسے اسپین میں پوڈیموس پارٹی (Podemos party)، یونان میں سیریزا پارٹی (Syriza party)، اور جیسا کہ لاطینی امریکہ کے متعدد ممالک میں ہے، جیسے وینزویلا کے سابقہ صدر ہوگو چاویز (Hugo Chávez) کا معاملہ ہے۔ لیکن یورپ میں آج سب سے زیادہ کامیاب عوام پرست دائیں بازو سے ہیں، خاص طور پر انتہا پسند دائیں بازو سے۔

پانچواں: عوام پرستی کسی مخصوص اداراتی ساخت کا نام نہیں۔ تمام عوام پرست جماعتیں ایک مضبوط اور پر کشش رہنما پر قائم نہیں ہوتیں، نہ ہی تمام عوام پرست جماعتیں غیر منظم اور نظم وضبط سے عاری ہوتی ہیں۔ عوام پرستی سیاست کرنے کا کوئی ایک مخصوص طریقہ نہیں ہے۔

چھٹا: عوام پرست، معاشرے میں چیزوں کو تبدیل کرنے کے لیے مہنگی اور زیادہ انتہا پسند پیشکشیں یا وعدے کرنے میں ریاست کی ادارہ جاتی جماعت اور حکومت کے مقابلے میں تیز ہوتے ہیں۔ یہ پیشکشیں اور وعدے اکثر ناقابل حصول ہوتے ہیں۔ یہ اس لیے کیا جاتا ہے تاکہ لوگوں کی حمایت حاصل کی جائے۔

ساتواں: حالیہ دہائیوں میں عوام پرست جماعتیں وسیع اور بااثر ہو گئی ہیں، جیسا کہ اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ عوام پرست جماعتوں نے نوے کی دہائی کے آخر میں اپنی مقبولیت کو تقریباً 7 فیصد سے بڑھا کر 2018 میں 25 فیصد سے زیادہ کر لیا۔ یورپ پر منڈلاتی عوام پرستی کا خطرہ اب ایک مضبوط سیاسی اور سماجی قوت بن چکا ہے، یہاں تک کہ اقتدار کے دروازوں پر بھی دستک دے رہا ہے۔ مغرب میں عوام پرستی متعدی بن چکی ہے۔ یہ بین الاقوامی ڈیجیٹل میڈیا کے دور میں حدیں پار کرتے ہوئے ایک جگہ سے دوسری جگہ تیزی سے منتقل ہو رہی ہے۔

آٹھواں: عوام پرست بعض اوقات ایک قدامت پسندانہ (conservative) اور مذہبی ایجنڈا اپناتے ہیں، اور لوگوں کو اصل حقائق سے بے خبر رکھنے اور مذہب کو استعمال کرنے اور اس سے کھیلنے کے لیے عام طور پر انجیلی عیسائی (Evangelicals) جیسے مذہبی گروہوں کے ساتھ اتحاد کرتے ہیں، کیونکہ یہ دونوں عوام کے ساتھ براہ راست بات چیت کی تلاش میں ہوتے ہیں، اور عوام کی عقلوں سے پہلے ان کے جذبات اور احساسات کو مخاطب کرتے ہیں۔

مغرب میں عوام پرستی اسلام کے خلاف ہے:

مغرب میں اسلام پر حملہ ان کی عوام پرستی کی ایک علامت ہے۔ یہ حق اور حق والے لوگوں کے خلاف ان کی نفرت کو واضح کر دیتا ہے۔ عوام پرست، اسلام اور اس پر طعنہ زنی کو اپنے انتخابات میں مرکزی کارڈ کے طور پر استعمال کرتے ہیں ۔ یہ عوام پرست میکرون ہی ہے جس نے فرانس میں "اسلامی علیحدگی پسندی" (Islamic Separatism) کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک نئے بل کا اعلان کیا جو پارلیمنٹ نے 23 جولائی 2021ء کو منظور کیا، جس میں اعلان کیا گیا کہ "اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو نہ صرف ہمارے ملک میں بلکہ پوری دنیا میں بحران (crisis) سے گزر رہا ہے"۔ آسٹریا کے چانسلر سباسٹین کرز (Sebastian Kurz) اسلام کو "بیکار نظریہ (sick ideology) جو ہم یورپ میں نہیں چاہتے" (26 جولائی، 2021ء) کے طور پر بیان کرتا ہے، اور گیرٹ ولڈرز (Geert Wilders)، جس نے اسلام دشمنی پر نیدرلینڈز میں اپنی مقبولیت قائم کی، ووٹروں سے ایک نئی

وزارت کی تشکیل کا وعدہ کرتا ہے جو اسلام کا صفایا کرے گی (9 جنوری، 2021ء)۔ ٹرمپ نے، جو دنیا کا سب سے بڑا عوام پرست ہے، اپنے انتخاب سے قبل 9 مارچ 2016ء کو سی این این کو بتایا: "میرے خیال میں اسلام ہم سے نفرت کرتا ہے"۔ اُس نے اِس "زبردست نفرت" (tremendous hatred) کی مذمت کی جو اس کے مطابق کسی حد تک اس مذہب (یعنی اسلام) کی پہچان ہے۔ اس نے برقرار رکھا کہ جنگ بنیاد پرست اسلام کے خلاف تھی، لیکن کہا، "اس کی تعریف کرنا بہت مشکل ہے۔ ایک کو دوسرے سے الگ کرنا بہت مشکل ہے۔ کیونکہ آپ نہیں جانتے کہ کون دراصل کون ہے"۔ مغرب میں عوام پرست سیاسی رجحان، جو خلوص اور لگن کے ساتھ، سرمایہ دارانہ ذہنیت کی نمائندگی کرتا ہے، آج کرپٹ سیکولر سرمایہ دارانہ نظام اور اسلام کے سچے مذہب کے درمیان تہذیبوں کے مثالی تصادم کی علامت ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام ان شاءاللہ جلد ہی اپنی موت آپ مر جائے گا۔

نتیجہ: مغرب میں عوام پرستی کا عروج لبرل سرمایہ دارانہ نظام کی ناکامی ہے

اس میں کوئی شک نہیں کہ آج مغرب کو ہر سطح پر پہلے سے کہیں زیادہ گہرے نظریاتی بحران کا سامنا ہے۔ وہ اپنے بوسیدہ لبرل نظریات، خاص طور پر آزادی، مادیت پرستی اور بقاء کی کش مکش (survival of the fittest) کی آگ میں مسلسل جل رہا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دائیں بازو کی عوام پرست تحریکوں کا عروج مغرب میں جمہوری نظام کی ناکامی کا ایک اور واضح ثبوت ہے۔ اس کی لہریں قانون کی حکمرانی اور ادارہ جاتیت (institutionalism) کو توڑتی ہیں، جس کا وہ طویل عرصے سے گن گاتے رہے ہیں۔ یہ نسل پرستی، انتہائی تنگ نظر قوم پرستی اور مطلق العنان آمریت کو متحرک کرتی ہے۔ یہ اپنے سیاسی تسلسل اور اقتدار کی جنگ میں شامل رہنے کے لئے اسلام سے کھلی دشمنی پر اصرار کرتی ہے۔

مغرب آج عوام پرستی کا عادی اور بیمار ہے۔ اس کی مقدار اور شدت میں اضافہ ہوا ہے۔ عوام پرستی مغرب میں جمہوریتوں کے مستقبل کا تعین کر سکتی ہے۔ یہ مغربی حکومتوں کی سیاسی بنیاد کو ہلا سکتی ہے۔ یہ وہاں کی برسر اقتدار حکومتوں کے استحکام پر تباہ کن اثرات مرتب کر سکتی ہے۔ یہ نفرت، انتہا پسندی، نسل پرستی، امتیازی سلوک اور

کمزوروں کو ہراساں کرنے کی برائیوں کی جانب پھسل جانے اور مزید بگڑ جانے کا خطرہ پیدا کر سکتی ہے۔اس کی وجہ وہاں کی پالیسیوں کی تشکیل اور معاشروں کے مسائل کو حل کرنے کی ذمہ داری کو نبھانے میں جذباتی اور اشتعال پسندانہ عوام پرست پالیسیوں کی نمائندگی ہے۔عوام پرستی اور اس کے اطلاقات انسانیت کے خلاف تمام سیاسی جرائم کا آغاز کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہ ان کی جھوٹی اور باطل جمہوریت کو بے نقاب کرتا ہے۔ مغربی معاشروں میں بڑھتی ہوئی پولرائزیشن صرف اور صرف زندگی کے معاملات کے انتظام میں سیکولرازم کی ناکامی کو بے نقاب کرتی ہے۔ مکیاویلی (Machiavellian) کے پیروکار سیاستدان کرپشن کو ختم نہیں کر سکتے۔ ان کا واحد مقصد انفرادی مفادات کی خاطر اپنی سیاسی طاقت کا تحفظ ہے۔

لبرل مغرب اپنی موت اور زندگی کے تمام پہلوؤں میں اپنی تباہی کی جانب بڑھ رہا ہے، بشمول عوام پرستی کے عروج کے۔ عوام پرستی، سیکولر جمہوری نظام کا ایک ایسا لازمی جزو ہے جسے اس سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ نظام جس پر اور جہاں بھی نافذ ہوا، اس کے اطلاق سے زبوں حالی پیدا ہوئی۔اس کے اندر کرپشن کا مجتمع ہونا اس سے خود ظاہر ہے۔ یہ ان شاءاللہ جلد ہی اپنے انجام کو پہنچے گا اور ختم ہو جائے گا۔ یہ درد کے وقتی خاتمے اور پیوند کاریوں کے ٹوٹکوں سے اب مزید کوئی فائدہ حاصل نہیں کر سکے گا کیونکہ طاقت کے رکھوالوں کے ذریعے اس کا ایسے استحصال کیا گیا ہے کہ اسے اس کی ممکنہ حدود تک پھیلا دیا گیا ہے۔اس نے بہت سے علاقوں اور نسلوں کو خراب کیا ہے۔اس بات سے کہ اسلام اور اس کی ریاست کی نمائندگی کرنے والا مہذب متبادل ابھی تک حقیقت میں عملی شکل اختیار نہیں کر سکا ہے، اسے کچھ عرصے کے لئے زندہ رہنے کا موقع فراہم ہو جاتا ہے۔

آج ہم یورپ اور امریکہ کی نظریاتی کمزوری کو دیکھ رہے ہیں۔اس سے امت مسلمہ کے لیے سازگار حالات پیدا ہوئے ہیں کہ وہ تعفن زدہ لبرل آئیڈیالوجی کے ساتھ مقابلہ کرنے کی جدوجہد جاری رکھے۔ یہ وقت ہے کہ اس کے پورے سیاسی عمل کی ساکھ پر سوال اٹھایا جائے۔ یہ وقت ہے کہ سرمایہ دار اشرافیہ اور ان کی آئیڈیالوجی کی غفلت اور استحصال کو بے نقاب کیا جائے، وہ آئیڈیالوجی جس کے ذریعے وہ اپنی کرپشن اپنے عوام کو بیچتے ہیں۔ یہ وقت ہے کہ مسلمان دنیا کے سامنے اسلامی آئیڈیالوجی کو ایک حقیقی متبادل کے طور پر پیش کریں۔ یہ وقت ہے کہ اس کے احکام کی

عظمت اور اس کے ایسے خیال رکھنے والے حکمرانوں کو آشکار کیا جائے جو اپنے لوگوں کے ساتھ مخلص ہوتے ہیں۔ یہ وقت ہے کہ انہیں ظاہر کیا جائے جو دوبارہ منتخب ہونے کی خاطر اپنے آپ کو نہیں کھپاتے، اپنے مفادات کے لیے لوگوں کے جذبات سے نہیں کھیلتے اور ان سے جھوٹ نہیں بولتے ہیں، جیسا کہ مغرب کے کرپٹ سیاست دان کرتے ہیں۔ اسلام ایسے سماجی طبقات کو قبول نہیں کرتا جو ایک دوسرے سے جدا اور باہم برسرپیکار ہوتے ہیں اور ایک دوسرے پر ظلم وستم کرتے ہیں، جیسا کہ مغربی سیکولرزم میں ہے، اور اس میں ایسے حکمرانوں کی گنجائش نہیں جو عوام پرست بولی کو اختیار کرتے ہیں، اور قوم پرستی، نسل پرستی اور دوسروں پر تکبر کو فروغ دیتے ہیں، بلکہ اسلام کے حکمران ہدایت یافتہ ہوتے ہیں جو اپنے رب کو خوش کرنے اور اپنے دین کی خدمت کرنے کے لئے فکر اور راست بازی کے ساتھ لوگوں کی رہنمائی کرتے ہیں۔ حضرت ابو مریم الازدیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **«مَنْ وَلاَّهُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ شَيْئاً مِنْ أَمْرِ الْمُسْلِمِينَ فَاحْتَجَبَ دُونَ حَاجَتِهِمْ وَخَلَّتِهِمْ وَفَقْرِهِمُ احْتَجَبَ اللَّهُ عَنْهُ دُونَ حَاجَتِهِ وَخَلَّتِهِ وَفَقْرِه» "اللہ جسے مسلمانوں کے کاموں میں سے کسی کام کا ذمہ دار بنائے پھر وہ ان کی ضروریات اور ان کی محتاجی و تنگ دستی کو پورا کرنے سے اپنے آپ کو الگ کرلے تو اللہ اس کی ضروریات اور اس کی محتاجی و تنگ دستی کو پورا کرنے سے اپنے آپ کو دور کرلیتا ہے۔"** (ابو داؤد)

فہرست

پاکستان کے گمشدہ قبائل

جلال الدین، ولایہ پاکستان

پشتون برادریوں میں ایک طویل عرصے سے یہ خیال چلا آرہا ہے کہ اُن کا تعلق بنی اسرائیل کے اصل بارہ قبائل میں سے گمشدہ قبائل سے ہے۔ یہ بات عام طور پر اس حقیقت کی وجہ سے پھیلائی جاتی ہے کہ پشتونوں کی آنکھیں رنگین اور بال گھنگریالے ہیں۔ لیکن یہ حقیقت آج تک اسرار کے پردوں میں چھپی ہوئی ہے کہ ان کا بنیادی تعلق کہاں سے ہے۔ میں ذاتی طور پر، ایک نسلی پشتون کے طور پر، اور قوموں کی تاریخی تعلق کے علم کا شوقین ہونے کے ناطے، یہ سمجھتا ہوں کہ پشتون ارد گرد کے لوگوں، جیسے ترکوں، فارسیوں اور شاہراہ ریشم سے گزرنے والی برادریوں اور قبائل کا مجموعہ ہیں۔ انہوں نے اس علاقے میں ایک زبان اپنائی جو وہاں عام تھی اور اس زبان کے ذریعے ایک ثقافت تیار کی جو ان کے اپنے افسانوں پر مشتمل ہے۔ تاہم، جیسا کہ بنی اسرائیل کے قبائل پوری تاریخ میں جن حالات سے گزرے، ایسا لگتا ہے کہ افغانیوں کو بھی مجبور کر دیا گیا ہے کہ وہ گمشدہ ہو جائیں۔

پاکستان کی حکومت نے حال ہی میں 17 لاکھ سے زائد افغان مہاجرین کو نکالنے کا فیصلہ کیا ہے جنہوں نے 1979ء کے اوائل سے، افغانستان پر سوویت حملے کے آغاز پر پاکستان کو اپنا گھر بنایا تھا۔ ذہن میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ معاشی سکیورٹی، سماجی استحکام اور اسلام کے حوالے سے کیا یہ ایک اچھا فیصلہ ہے؟

افغان مہاجرین کے مسئلے کو موجودہ پاکستانی حکومت نے اسمگلنگ اور دہشت گردی سے متعلق سرگرمیوں کو روکنے کی کوشش کے طور پر پیش کیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی، وہ دعویٰ کرتی ہے کہ اس اخراج سے ملک کو درپیش معاشی بوجھ کو کم کرنے میں مدد ملے گی، جس کی وجہ بہت زیادہ آبادی ہے۔

حکومت کا دعویٰ ہے کہ افغان مہاجرین کوئی ٹیکس ادا نہیں کرتے۔ اس طرح وہ ملک سے نکالے جانے کے مستحق ہیں۔ تاہم اگر اس دلیل کو درست تسلیم کر بھی لیا جائے تو اس بنیاد پر پاکستانی کاروباری شخصیات، سیاست دانوں،

کاٹیج انڈسٹری کے غیر رسمی کارکنوں اور عام طور پر غیر تنخواہ دار کارکنوں کے خلاف بھی اس جواز کو استعمال کیا جا سکتا ہے۔ درحقیقت پاکستان کی آبادی کی اکثریت بدعنوان حکومت کو ٹیکس دینے سے یا تو انکار کرتی ہے یا کرپشن کی وجہ سے براہ راست ٹیکس ادا کر نہیں پاتی۔ لہٰذا حکومت بالواسطہ ٹیکس کی پالیسی استعمال کرتی ہے۔ بالواسطہ ٹیکس بنیادی فہم کے مطابق اس طرح کام کرتے ہیں کہ اگر کوئی کارکن، غیر قانونی مہاجر یا قانونی مہاجر ہے، تو وہ سیلز اور یوٹیلیٹیز، دونوں پر ٹیکس ادا کرنے کے پابند ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ تمام 17 لاکھ افغان باقاعدگی سے کھانے پینے کی اشیاء اور بنیادی بقاء کے لیے درکار دیگر اشیا، جیسے بجلی اور گیس خریدتے ہیں۔ ان سب پر حکومت بالواسطہ ٹیکس لگاتی ہے۔ لہٰذا، ٹیکس نہ دینے کا دعویٰ کرنا نہ صرف مضحکہ خیز ہے، بلکہ یہ ناقابل یقین حد تک منافقانہ بھی ہے۔ اس کے بجائے، ان پناہ گزینوں کو ہٹانے کے نتیجے میں ہنر مند مزدور، بہت بڑی تعداد میں نوجوان اور محنتی کمیونٹی، اور قابل کاروباری افراد اور کارکنان سے ملک محروم ہو جائے گا۔ یہ معاشی نقصان کی اصطلاح کی کسی بھی تعریف کے مطابق ایک معاشی نقصان ہے۔

معاشی عوامل سے آگے بڑھتے ہوئے، ہمیں نام نہاد سیکورٹی اور اسمگلنگ کے مسئلے پر بات کرنی چاہیے۔ حکومت یہ پروپیگنڈا کرتی ہے کہ پاکستان میں ہونے والی دہشت گردی کی زیادہ تر کارروائیوں کے ذمہ دار افغان ہیں۔ تاہم، یہ اصل صورت حال کے حوالے سے ایک بڑی غلط بیانی ہے۔ دہشت گرد تنظیموں میں ملوث بہت سے افراد مقامی طور پر بھرتی ہوتے ہیں۔ افغان جو اس دہشت گردی میں حصہ لے رہے ہیں، انہیں عام طور پر فنڈز فراہم کیے جاتے ہیں، اور مقامی لوگوں یا دیگر دلچسپی رکھنے والی جماعتوں کے ذریعے انہیں وسائل فراہم کیے جاتے ہیں۔ لیکن اس بات سے افغانیوں اور پشتونوں میں ناراضگی کم نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ پاکستانی ریاست کے خلاف پہلے سے موجود دشمنی کو مزید گہرا کر دیتی ہے۔ کئی دہائیوں سے اس ملک میں رہنے والے لوگوں کو ملک سے نکالنے کی وجہ سے صرف ان لوگوں سے ہی نفرت نہیں ہوگی جنہوں نے انہیں نکال دیا ہے، بلکہ نفرت ان لوگوں تک بھی پھیل سکتی ہے جو خاموش رہے کیونکہ اس دوران اتنی بڑی تعداد میں لوگوں کے حقوق کی خلاف ورزی کی گئی۔ یہ صورتحال اس وجہ سے خطرناک ہو گئی ہے کہ بے دخل کیے گئے لوگوں کی ایک بڑی تعداد نوجوان ہیں، جنہوں نے کبھی افغانستان دیکھا ہی نہیں یا وہ وہاں

پر صرف چھٹیاں گزارنے جاتے رہے جیسے بچے نانی کے گھر جاتے ہیں، اور وہ پاکستان میں زندگی گزارنے کے علاوہ کچھ نہیں جانتے۔ اس صورتحال کی وجہ سے ان کے پاس پیسے، وسائل یا گھر نہیں بچا۔ پاکستانی حکومت اب کم از کم 17 لاکھ افغان مہاجرین میں سے تین نسلوں کو پاکستانی ریاست اور جن باتوں کی وہ حمایت کرتی ہیں، ان سے نفرت کرنے پر مجبور کر رہی ہے۔ لہٰذا، دہشت گردی سے نمٹنے کے حوالے سے یہ اقدام بالآخر ناکام ہوں گے چاہے موجودہ دہشت گردی کی لہر میں کوئی کمی ہو بھی جائے۔

پھر، ہم اسمگلنگ کے سوال پر آتے ہیں۔ اس پر، میرے پاس کہنے کے لیے بہت کم ہے کیونکہ بات کے آغاز سے ہی یہ ایک ملکی تعصب پر مبنی مفروضہ ہے۔ اگر واقعی اسمگلنگ افغان مہاجرین کے ذریعے ہو رہی ہے، اور افغانستان اور ایران میں ان کے روابط ہیں، تو وہ اتنے امیر اور بااثر کیوں نہیں ہیں، کہ وہ بدعنوان سرکاری اہلکاروں کو خرید کر اپنی ملک بدری کو روک سکتے؟ کیا مجرمانہ سازش کو روکنے کا یہ حل ہے کہ جو گروہ یہ کام کر رہے ہیں ان میں نچلی ترین سطح پر کام کرنے والوں کو نکال دیا جائے۔ یا سب سے اوپر والے لوگوں کو نکالنا حل ہے جو یہ سب کر رہے ہیں؟ اور وہ لوگ پاکستانی سیاست دان، صنعتکار اور تاجر ہیں۔ جہاں تک اس دعوے کا تعلق ہے کہ، "مہاجرین کی صورتحال نے اسمگلنگ اور دہشت گردی سے متعلق سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی کی ہے"۔ اس جھوٹے دعوے کی حمایت کرنے کے لیے کوئی اعداد و شمار کے ثبوت موجود نہیں ہیں۔ درحقیقت صوبہ خیبر پختونخواہ کے استغاثہ (پراسیکیوشن) کے اعداد و شمار اس باطل تصور کو غلط ثابت کرتے ہیں۔ بڑے جرائم کے 10,549 واقعات میں سے صرف 134 واقعات میں پڑوسی ملک سے بے گھر افراد ملوث پائے گئے تھے۔ ڈائریکٹوریٹ آف پراسیکیوشن کے مطابق اس عرصے کے دوران کل 11,685 مقدمات درج کیے گئے جن میں سے 10,549 کو عدالت میں پیش کیا گیا۔ ان میں سے صرف 134 میں افغان مہاجرین شامل تھے۔ اور یہ عدالت میں داخل ہونے والے مقدمات کی کل تعداد کا 1.27 فیصد ہے۔ مقدمات میں 23,007 ملزمان ملوث تھے جن میں سے صرف 300 افغان مہاجرین تھے۔ اس طرح مذکورہ جرائم میں ملوث افغان مہاجرین کا تناسب 1.3 فیصد بنتا ہے۔ (https://dawn.com/news/1308486)

اگلا معاملہ جو میں اٹھاتا ہوں وہ ان لوگوں کے ساتھ نفرت انگیز سلوک ہے۔ ان میں سے کئی کے پاس شناختی کارڈ ہیں۔ ان میں سے اکثر نے کبھی افغانستان دیکھا ہی نہیں، یا وہ وہاں بہت ہی کم رہے ہیں۔ ان میں سے بہت سے لوگوں نے اپنے خاندانوں کی دولت اور ساری زندگی پاکستان میں لگائی ہوئی ہے۔ میری رائے میں، اور کسی بھی سمجھدار شخص کی رائے میں، انہیں یہاں رہنے کا پورا حق حاصل ہے۔ انہیں اس حقیقت کا خمیازہ کیوں بھگتنا چاہیے کہ ایک نااہل حکومت نے انہیں مناسب راستے فراہم کرنے سے انکار کیا، یا فراہم کرنے سے قاصر رہی۔ پھر پاکستانی حکومت بوہری اور سکھ اقلیتوں کو بھی ملک بدر کیوں نہیں کر رہی؟ شاید، اس کی وجہ یہ ہے کہ اب بھی ان کمیونٹیز کو بین الاقوامی امداد حاصل کرنے کے لیے استعمال کرنے کے مواقع موجود ہیں۔ یہ عالمی برادری میں پاکستان کی حیثیت کو مضبوط کرنے کا موقع ہے۔

پاکستان کو کئی سال بلکہ دہائیوں تک، افغان مہاجرین کے لیے امریکہ سے انسانی امداد کی مد میں بڑی رقوم موصول ہوئی ہیں۔ پاکستانی حکومت نے امریکی انٹیلی جنس سے بھی خفیہ طور پر بڑے پیمانے پر فنڈز لئے۔ اس نے امریکہ کی جانب سے سوویت یونین سے لڑنے کے لیے نوجوان افغان مردوں کو مالی امداد اور تربیت دی۔ پاکستان کے حکمرانوں نے اس آبادی کو امریکہ کی خدمت میں استعمال کیا۔ جب ان کی ضرورت ختم ہو گئی تو انہیں حقارت کے ساتھ چھوڑ دیا گیا۔ مزید یہ کہ اتنی بڑی آبادی کو بے دخل کر کے حکمران اب طالبان پر دباؤ ڈالنے کی امریکی پالیسی کی تکمیل کر رہے ہیں، تاکہ وہ پوری طرح مغربی ورلڈ آرڈر کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں۔ وہ مسلمانوں کے درمیان دشمنی پیدا کر رہے ہیں جس کا فائدہ صرف دشمنوں کو ہی پہنچ رہا ہے۔ اور اب پاکستان کے حکمران غزہ کی حمایت میں ہماری مسلح افواج کو متحرک کرنے سے انکار کا جواز پیش کرنے کے لیے اس دشمنی کو بھی استعمال کر رہے ہیں، جو انہوں نے پیدا کی ہے۔

پھر ہم اس تصور کی طرف آتے ہیں جس نے ایک الگ قومی ریاست کی تشکیل کی بنیاد رکھی جسے اب ہم پاکستان کے نام سے جانتے ہیں۔ پاکستان کا نظریہ بذات خود قومی ریاستوں کے اس دور میں اپنی نوعیت میں منفرد ہے۔ وہ نظریہ یہ ہے کہ اس ملک کی تشکیل اس بنیاد پر ہوئی ہے کہ اس کی شہریت مذہب کی بنیاد پر دی جاتی ہے، نہ کہ نسل، زبان، قوم اور متفقہ طور پر تسلیم کردہ سیاسی نظام کی بنیاد پر۔ اگر اس بنیادی نظریے کو ہٹا دیا جائے تو پاکستان نامی نظریے

میں صرف سابقہ آزاد صوبے ہی باقی رہ جاتے ہیں۔ یہ ایک ایسا نظریہ ہے جس نے معمول کو چیلنج کیا، لیکن نسلی قوم پرستانہ جذبات کا مقابلہ کرنے میں ناکام رہا۔ اب ایسا لگتا ہے کہ وہ لوگ، جن کے آباؤاجداد نے کچھ ہی عرصہ قبل ایک غیر نسلی بنیاد پر مبنی ریاست کے نظریے کے حق میں جنگ لڑی اور اپنی جان دی، وہ اسی کا شکار ہو چکے ہیں جس کے خلاف ان کے اپنے خون نے جنگ کی تھی۔ اب وہ ان لوگوں کو اس علاقے سے نکلنے پر مجبور کر رہے ہیں جس کے بارے میں وہ محض دستاویزات کی بنیاد پر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ان کا ہے۔ اسی منطق سے نسل، زبان اور تاریخ کا جائزہ لیتے ہوئے انہی لوگوں کو اب خیبر پختونخوا میں پشتون برادری کو ختم کرنے کا مطالبہ کرنا چاہیے۔

آگے بڑھتے ہوئے، ہمیں پاکستان کے مشن پر بات کرنی چاہیے، ایک ایسی ریاست جو مسلمانوں نے مسلمانوں کے لیے بنائی، اور ان غیر مسلموں کے لیے جو مسلمانوں کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں۔ بانیانِ پاکستان کی طرف سے جاری کردہ قراردادِ مقاصد در حقیقت اپنے چوتھے آرٹیکل میں کہتی ہے کہ "مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ انفرادی اور اجتماعی میدانوں میں اپنی زندگیوں کو اسلام کی تعلیمات اور تقاضوں کے مطابق ترتیب دیں جیسا کہ قرآن پاک اور سنت نبوی ﷺ میں بیان کیا گیا ہے"۔ اس کے بعد میں جو سوال پوچھتا ہوں وہ یہ ہے کہ اس مسئلہ پر اسلامی نظریہ کیا ہے؟ کچھ پاکستانی "بین الاقوامی قانون" کا حوالہ دیتے ہیں، جو 17 لاکھ سے زیادہ افغان مہاجرین کو نکالنے کے جواز کے طور پر "غیر قانونی" پناہ گزینوں کو زبردستی نکالنے کی اجازت دیتا ہے۔ تاہم، یہ قانون نسل کشی کرنے والی مغربی ریاستوں سے مستعار لیا گیا ہے، جنہوں نے غزہ کے مسئلے پر ان پچھلے چند ہفتوں میں اپنے غیر انسانی رویے کو پوری طرح سے بے نقاب کر دیا ہے۔ تو پھر اس قانون کا قرآن یا سنت سے کیا تعلق ہے؟

سیاق و سباق کے حوالے سے بات کرتے ہوئے ہمیں یہ پوچھنا چاہئے کہ کیوں تمام طاقتیں تقسیم اور ملکی تعصب کو ترجیح دیتی ہیں؟ جواب بہت سادہ ہے۔ جس گھر کو تقسیم کیا جائے وہ گھر تباہ ہو جاتا ہے۔ میرا اس سے خاص طور پر مطلب یہ ہے کہ یہ ان لوگوں کے مفاد میں ہے جو طاقت کے حامل ہیں، جو اقتدار رکھتے ہیں، تاکہ وہ جن پر حکومت کرتے ہیں ان کے درمیان نسلی، فرقہ وارانہ اور مذہبی تقسیم کو برقرار رکھیں۔ اس طرح کی تقسیم اصل مسائل سے توجہ ہٹانے کا باعث بنتی ہے اور حکمرانوں کو اپنا استحصال جاری رکھنے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔ اس طرح حکمران عوام کو

اس بات سے باخبر ہونے سے روک سکتے ہیں کہ در حقیقت دشمن کے ساتھ کون تعاون کر رہا ہے۔ قوم (race) سے متعلق مسائل کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے خطبہ الوداع میں فرمایا: **«يَا أَيُّها النَّاسُ أَلا إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ، وَإِنَّ أَباكُمْ وَاحِدٌ، أَلا لا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ على عَجَمِيٍّ، وَلا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ، وَلَا أَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ، ولا أَسْوَدَ على أَحْمَرَ، إِلَّا بِالتَّقْوَى»** **"اے انسانوں! بے شک تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا اصل باپ ایک ہے۔ بے شک نہ عربی کو عجمی پر، نہ عجمی کو عربی پر، نہ گورے کو کالے پر اور نہ کالے کو گورے پر کوئی برتری حاصل نہیں، سوائے تقویٰ کے"۔** (احمد)

یہ ضروری ہے کہ یہ سمجھ لیا جائے کہ یہ عمل اور اس جیسا کوئی بھی عمل تعصب پر مبنی ہے۔ یہ بالکل غیر اسلامی ہے۔ یہ صریحاً جھوٹ اور فریب پر مبنی ہے۔ یہ مکمل طور پر اس بات پر مبنی ہے جسے صرف ہمارے دین کا مخالف قرار دیا جاسکتا ہے۔ اب ان لوگوں کے لیے جو اسے مثبت روشنی میں دیکھتے ہیں، یہ ان لوگوں کے لیے ایک خطاب ہے جو مانتے ہیں کہ نسل اور قوم پرستی کی بنیاد پر عورتیں، بچے، مرد اور بوڑھے ایسے گھر سے نکالے جانے کے مستحق ہیں جہاں انہوں نے صرف ظالموں سے اور جنگ سے بچنے کے لیے پناہ لی ہو۔ تو یاد کریں کہ انصارؓ نے مہاجرینؓ کے ساتھ کیسا سلوک کیا تھا۔ یاد کریں کہ کس طرح خون، نسب اور علاقے سے بے تعلق ہو کر لوگ ایک دوسرے سے بھائیوں جیسا سلوک کرتے تھے۔ انہوں نے نسل، خاندان اور سماجی حیثیت سے قطع نظر ایسا عمل کیا۔ یہ صرف اس وجہ سے ہوا کہ پناہ لینے والوں کے میزبان مسلمان تھے۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو یاد کریں، صحابہؓ کو یاد کریں، کہ وہ کیا کریں گے، اور غور کریں کہ وہ کس کا ساتھ دیں گے، ظالم کا یا مظلوم کا؟ جیسا کہ میں دیکھ رہا ہوں یہ انتخاب کرنا نہایت آسان ہے۔ یا تو ہم پیغمبر محمد مصطفیٰ ﷺ کے وقت یثرب کے رہنے والوں کو منتخب کر سکتے ہیں، جنہوں نے اخوت کا انتخاب کیا۔ یا ہم وہ ہو سکتے ہیں جنہوں نے نسل کی بنیاد پر خیانت اور جھوٹ کا انتخاب کیا۔ یاد رہے کہ یہ مسئلہ ایک حق اور ایک باطل کو پیش کرتا ہے۔ بحیثیت مسلمان سچ کا انتخاب کرنا ہر فرد پر منحصر ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **«مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ»**، **"تم میں سے جو کوئی برائی دیکھے**

تو اسے اپنے ہاتھ سے بدل دے۔ اگر وہ ایسا نہیں کر سکتا تو اپنی زبان سے۔ اگر وہ ایسا نہ کر سکے تو اپنے دل سے جو ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے"۔ (مسلم)

فہرست

ایک سچے مومن کا دِل

مسلمان ہونے کے ناطے ہم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی خوشنودی اور رضا کے لئے جستجو کرتے ہیں۔ ہم فرائض کی پابندی، سُنت کی پیروی اور زیادہ سے زیادہ نوافل کی ادائیگی سے ہر ممکن حد تک خود کو بہترین بنانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ لیکن تب بھی کبھی کبھی ہمارے دل میں وہ اطمینان محسوس نہیں ہوتا... اتنا صاف اور اتنا خالص۔ اپنی زندگی کی سب سے زیادہ عزیز اور مثالی ہستی، محمد ﷺ جیسا بننے کی کوشش کرتے ہوئے، ہمیں کبھی کبھی اپنے آپ میں صحابہؓ کرامؓ کے قریب بھی ہونے کا احساس محسوس نہیں ہوتا۔ اور یہ بات ہمیں مار ڈالتی ہے، یہ احساس پیدا کر کے کہ ہم فی الحال جیسے بھی ہیں، اُس سے زیادہ بہتر نہیں ہو سکتے۔ ہمارے لئے اُن جیسا بننا ممکن نظر نہیں آتا خصوصاً آج کے اِس دَور اور حالات میں۔ ہمیں اکثر اوقات اپنے آپ میں منافقت سی محسوس ہونے لگتی ہے۔ یوں محسوس ہونے لگتا ہے کہ جیسے ہم کچھ بھی خاص نہ کر رہے ہوں چاہے ہم کتنی ہی تگ ودَو کیوں نہ کر رہے ہوں۔

ہم ایک ایسی دُنیا میں رہ رہے ہیں جو یقیناً ہم میں سے کئی کو اکثر و بیشتر اُکساتی رہتی ہے۔ یہ ہمیں حد تک لے جاتی ہے، یہ احساس دلاتی ہے کہ ہم کوئی نااہل اور بے وُقعت سی شے ہیں یا پھر ایسا احساس کہ جیسے ہم آسمان کو بھی چھو سکتے ہیں جبکہ وہ یقیناً ایسی شے ہے جو حقیقت میں ہم کبھی اپنے ہاتھوں میں بھی نہیں پکڑ سکتے۔ اور یاد رہے کہ اس تمام میں شیطان مردُود کا کردار ہمیں نہیں بھُول جانا چاہئے جو موقع کی تاک میں لگا ہے تاکہ ہم پر کسی طرح حملہ کر سکے، ہمارے غصہ، ہماری ناکامی و مایوسی، یا اُداسی یا پھر ہماری خوشی کی حالت کا فائدہ اُٹھالے اور ہم کسی گناہ کی لپیٹ میں آجائیں۔ یہاں تک کہ ہم اپنے بارے میں دُوسروں کے خیالات اور اندازوں کو بھی محسوس کر رہے ہوتے ہیں جو کہ اس صورتحال کو مزید بدتر کر دیتا ہے۔

ذرا غور کریں، سوال یہ ہے کہ...

کیا اس سب کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا دِل خالص نہیں ہے؟ کیا اس کا مطلب یہ ہے... کہ کیا کبھی بھی ہمارا دِل خالص ہو سکتا ہے؟ یعنی شاید ہمارے عظیم رہنما، محمد رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں تو اپنے دِل کی حفاظت کرنا اور اسے خالص رکھنا آسان ہوتا ہوگا... ... صحیح؟

ہاں بھی، اور نہیں بھی۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہمیں ایسے ہی تخلیق کیا ہے۔ ہم کوئی فرشتے نہیں ہیں۔ ایک حدیثِ مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ نے اس کے بارے میں تذکرہ کیا کہ اگر ہم ہر وقت ہی یادِ الٰہی میں لگے رہتے تو ہم فرشتوں جیسے نہ ہو جاتے۔

اس تمام جائزے کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ ہم اپنے اعمال کو نہیں دیکھتے۔ ہم نہیں جانتے کہ ہمارے لئے آخرت میں کیا جمع ہُوا ہے۔ ہم وہ نہیں جان سکتے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی نظر میں ہمارا کیا مقام ہے اور جنت میں ہمارا کیا رُتبہ ہو سکتا ہے۔ ہم یہ نہیں جان سکتے کہ ہم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضا کی خاطر جو بھی اعمال کرتے ہیں، اُن میں سے اصل میں کونسے اعمال ہمارے لئے ذخیرہ ہوئے ہیں یا پھر خدانخواستہ، لا سمح اللہ، بُرے اعمال میں شُمار ہو گئے ہیں۔ سبحان اللہ، وہی اللہ الرحیم جل جلالہٗ ہی ہیں جو کہ سب جانتے ہیں لیکن جو ہم جانتے ہیں وہ یہی ہے کہ اللہ نے ہمیں پیدا کیا ہے اور باقی سب کچھ اسی طرح ہی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

« وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ لَمْ تُذْنِبُوا لَذَهَبَ اللَّهُ بِكُمْ وَلَجَاءَ بِقَوْمٍ يُذْنِبُونَ فَيَسْتَغْفِرُونَ اللَّهَ فَيَغْفِرُ لَهُمْ »

"اُس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر تم خطا نہ کرتے تو اللہ تمہارا وجود ہی ختم کر دیتا اور تمہاری جگہ اُن لوگوں کو بدل دیتا جو اگر گناہ کر لیتے تو اللہ سے استغفار کرتے اور اللہ اُن کو معاف کر دیتا"۔

اللہ اکبر! اللہ کتنا رحیم ہے! الحمدللہ اور یہ اسلام کی برکتیں ہی ہیں! جان لیں کہ یہ صرف اللہ ہی ہیں جو کہ یہ جانتے ہیں کہ ہمارے دِلوں میں کیا ہے۔ اللہ کو وہ سب معلوم ہے جو ہم پر بیتتی ہے۔ اس فتنہ و لالچ کی دُنیا میں، صرف اُسی کی رضا کے حصول کیلئے ہم کتنی مشقت کرتے ہیں، اور کیسے کبھی ہم بہک بھی سکتے ہیں۔

قرآنِ مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ ﴾

"اور جان رکھو کہ اللہ آدمی اور اُس کے قلب کے درمیان حائل ہے" (الانفال:24)

چاہے ہمیں کتنے ہی وسوسے کیوں نہ آئیں، ہمیں ہمت نہیں ہارنی چاہئے اور انہیں نظرانداز کر دینا چاہئے۔ روزانہ قرآنِ مجید کی تلاوت کریں، معوذتین (سورۃ الفلق والناس) کی تلاوت کریں، اپنے گھر کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ذکر سے بھر دیں، نوافل ادا کریں، اللہ سے مسلسل دُعا کرتے رہیں کہ وہ ہمارے دلوں کو اور ہماری نیتوں کو پاک کر دے، نیک اعمال کرتے رہیں کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ نیک اعمال، بُرے اعمال کو مٹا دیتے ہیں۔ اگر ہم شیطان کے وسوسوں میں پھنس بھی جائیں اور عین ممکن ہے کہ ایسا ہو جائے تو ہمیں فوراً اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے توبہ واستغفار کرنی چاہئے، یہ جانتے ہوئے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں معاف کر دیں گے اور یہ پختہ یقین رکھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ ہی الغفور الرحیم ہیں، بھروسہ رکھیں کہ وہ سچی توبہ کے بعد ہمیں یقیناً بخش دیں گے۔ بہرحال، نادم ہونا توبہ کی شرائط میں سے ایک شرط ہے اور یہ جاننا کہ ہمارا رب بہت بخشنے والا ہے جو ہمارے گناہوں کو معاف فرمادے گا۔ ہمیں اپنی آخری سانس تک اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضا وخوشنودی حاصل کرنے کی جستجو کرنی ہے اور ہمت نہیں ہارنی، ورنہ جان لیں کہ ہم اُن وسوسوں میں پھنس جائیں گے۔ ہم اللہ پر ایمان رکھنے والے ہیں، ہم اُسی ذاتِ باری تعالیٰ کے پیارے بندے وغُلام ہیں، صحابہؓ کے جانشین اور محمد رسول اللہ ﷺ کے اُمّتی ہیں۔ ایمان رکھیں، یقین رکھیں اور پختہ اعتقاد رکھیں کہ ہمارا بہت بخشنے والا، سب کچھ جاننے والا رب ہے جس نے ہمیں اور ہمارے نفسِ امارۃ (ہمارے نفس کا شر) کو

پیدا کیا اور شیطان کو بھی اُسی نے تخلیق کیا اور وہ سب جانتا ہے کہ ہم کیا ہیں، کس سے نبرد آزما ہیں اور کس کیلئے جستجو کر رہے ہیں...ایک سچے مومن کے دل کیلئے۔

فہرست

اے پاکستان کے معزز علمائے کرام! غزہ جل رہا ہے اور پاکستان کے حکمران خاموش تماشائی بنے اسے جلتا دیکھ رہے ہیں، آپ پر لازم ہو چکا ہے کہ غزہ کے مسلمانوں کی مدد اور فلسطین کی آزادی کے لیے، افواجِ پاکستان کو جہاد کے لیے واشگاف پکاریں

حزب التحریر ولایہ پاکستان

اے پاکستان کے معزز علمائے کرام! یہودی وجود، فلسطین کی مبارک سرزمین کے آسمانوں کو آگ اور دھوئیں سے بھر رہا ہے، جبکہ اس کی مٹی مسلمانوں کے خون اور آنسوؤں سے تر بہ تر ہے۔ دو ماہ گزرنے کو ہیں قابض یہودی وجود پاک دامن عورتوں، بچوں، بوڑھوں، بیماروں کو بے دریغ نشانہ بنا رہا ہے مگر مسلمانوں کی کوئی ایک فوج بھی حملہ آور دشمن کی فوج کو پسپا کرنے کے لیے آگے نہیں بڑھی۔ اس صورتِ حال میں ہم آپ کو ایسے مخاطب کر رہے ہیں جیسا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے بتایا کہ آپ کو لازمی طور پر ایسا ہی ہونا چاہیے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: **إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاؤُا** "**اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں**" (فاطر، 35:28)، اور ابو درداءؓ نے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد روایت کیا: **إنَّ العلماءَ ورثةُ الأنبياءِ** "**بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں**" (ابو داؤد، ترمذی)۔ لہٰذا آپ کا طرزِ عمل انبیاء علیہم السلام کی طرح ہونا چاہیے، کہ آپ صرف اور صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے نازل کردہ احکامات کے مطابق، زندگی کے تمام امور میں لوگوں کے معاملات کی دیکھ بھال کرنے والے ہوں۔

اے انبیاءؑ کے ورثاء! غزہ کی موجودہ صورتِ حال کے پسِ پردہ، بائیڈن کے ایجنٹ عرب اور عجم کے مسلمان حکمران، 'دو ریاستی حل' کے ذریعے فلسطین کی بابرکت اسلامی سرزمین کو، غاصب حملہ آور یہودی وجود کے حق میں چھوڑ دینے کے لیے آپ کا تعاون چاہتے ہیں۔ وہ آپ کے سامنے 'دو ریاستی حل' کو موجودہ صورتِ حال کے حل کے طور پر پیش کر رہے ہیں جبکہ یہ نام نہاد حل محض ایک دھوکہ ہے، جس کے نتیجے میں یہودی وجود مزید مضبوط ہو گا جبکہ

فلسطین کے مسلمان زندہ رہنے کی ضروریات کے لیے یہودی وجود کے رحم و کرم پر ہوں گے، ان کا تحفظ یہودی وجود کے ہاتھ میں ہو گا؛ اور خطے میں اور اس سے باہر یہودی وجود کی فتنے کی آگ بھڑکانے کی صلاحیت میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔

'دو ریاستی حل' ایک امریکی حل ہے جس کی حمایت کرنا اللہ سبحانہ و تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور ایمان والوں سے غداری ہے، کیونکہ مسلمانوں کی سرزمین ایک ایسی حرمت ہے جس سے دستبرداری جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر کفار کی کسی بھی قسم کی بالادستی قبول کرنے کو حرام قرار دیا ہے، اللہ نے ارشاد فرمایا: **وَلَن يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا** "اور اللہ نے کافروں کو مسلمانوں پر ہرگز کوئی اختیار وغلبہ نہیں دیا" (النساء 141)۔ اور اللہ تعالیٰ نے کفار کی طرف سے مسلمانوں کی سرزمین کے غصب کے خاتمے کو فرض قرار دیا ہے، اللہ نے قرآن میں ارشاد فرمایا: **وَأَخْرِجُوهُم مِّنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ** "اور نکال دو اُنہیں وہاں سے جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے" (البقرۃ: 191)۔ اللہ کا یہ حکم کسی بھی اسلامی سرزمین کے متعلق ہے جبکہ فلسطین کی سرزمین تو مسلمانوں کے حرم اور قبلۂ اول، مسجد الاقصیٰ اور نبی کریم ﷺ کے اسراء و معراج کی سرزمین ہے کہ جس میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے قیامت کے دن تک کے لیے برکت رکھ دی ہے!

اے معزز علمائے کرام! پاکستان کے حکمران خلیجی ریاستوں کے خائن حکمرانوں سے ملنے والی امداد کے بدلے میں یہودی وجود کو قبول کرنے کی طرف قدم بڑھا رہے ہیں، اور آپ سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ آپ امریکہ کے دو ریاستی منصوبے پر مہرِ قبولیت ثبت کر دیں۔ اور یوں یہ حکمران امت میں آپ کے دینی مقام و حیثیت کو محض اپنے اقتدار کو مضبوط بنانے کے لیے استعمال کر لیں۔ ان حکمرانوں کی چالوں کے متعلق خبردار کرتے ہوئے ہم آپ کو عمرؓ کے اس قول کی یاد دہانی کراتے ہیں: **هَلْ تَعْرِفُ مَا يَهْدِمُ الإِسْلاَمَ؟ قَالَ قُلْتُ، لاَ. قَالَ يَهْدِمُهُ زَلَّةُ الْعَالِمِ وَجِدَالُ الْمُنَافِقِ بِالْكِتَابِ وَحُكْمُ الأَئِمَّةِ الْمُضِلِّينَ** "عمرؓ نے زیاد بن حدیر سے پوچھا کیا تم جانتے ہو کہ کیا چیز اسلام کو ڈھا دیتی ہے، تو میں (زیاد) نے جواب دیا: میں نہیں جانتا۔ عمرؓ نے جواب دیا: عالم کا پھسلنا، منافق کا قرآن کے ذریعے جھگڑا کرنا اور گمراہ کرنے والے حاکموں کا حکم کرنا" (دارمی)۔ بے شک ایک عالم کی لغزش

ایک عام شخص کے پھسل جانے سے کہیں سنگین ہے۔ پس آپ پر لازم ہے کہ آپ حکمرانوں کی دین اور امت کے ساتھ خیانت میں کسی بھی قسم کی معاونت سے صاف انکار کر دیں اور ان کا کڑا محاسبہ کریں کہ وہ طاقت و صلاحیت رکھنے کے باوجود کیوں پاکستان کی بہادر افواج کو حرکت میں نہیں لاتے۔ آپ کو چاہئے کہ غزہ کے مظلوم مسلمانوں کی حفاظت اور فلسطین کی آزادی کے لیے افواجِ پاکستان پر جہاد کے فرض ہونے کا فتویٰ جاری کریں۔ بے شک یہ افواج کا حرکت میں نہ آنا ہی ہے کہ جس نے فلسطین کے مسئلے کو حل ہونے سے روک رکھا ہے تاکہ یہ خائن حکمران امریکہ کے طے کردہ دو ریاستی حل کو مسلط کر سکیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:)) **وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنْ الْمُنْكَرِ أَوْ لَيُوشِكَنَّ اللَّهُ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَابًا مِنْهُ ثُمَّ تَدْعُونَهُ فَلَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ**))"اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے! تم ضرور بالضرور نیکی کا حکم دو گے اور برائی سے منع کرو گے، وگرنہ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنی طرف سے عذاب نازل فرمائے، پھر تم اس سے دعائیں کیا کرو تو وہ قبول نہ فرمائے"(ترمذی)۔

اے علمائے کرام! آپ کو حکمرانوں کی طرف اپنے طرزِ عمل میں اُن اسلاف کی پیروی کرنی چاہئے کہ جنہوں نے ہر طرح کی مصیبتوں اور ایذا رسانی کو برداشت کیا مگر اپنے دین پر حرف نہیں آنے دیا۔ امام ابو حنیفہ، امام احمد بن حنبل اور عزالدین عبدالسلام جیسے امت کے روشن ستارے کہ جو حکمرانوں کا محاسبہ کرتے تھے، اور اس راہ میں آنے والی تمام مشکلات برداشت کرتے تھے۔ امام ابو حنیفہؒ کی والدہ نے انہیں ایک دن کہا، جب وہ جیل میں تھے، یا نعمان، إن هذه المعرفة لم تنفعك إلا لضريك وسجنك، وهذا يكفي لأن تتخلى عنها "اے نعمان! تجھے اس علم نے سوائے مار کھانے اور قید کے کچھ فائدہ نہیں پہنچایا اور تیرے لیے اس (علم) کو چھوڑنے کے لیے یہی کافی ہے"۔ اس پر امام ابو حنیفہ نے انہیں جواب دیا، يا أماه، إذا رغبت العالم لكنت حققت ذلك، ولكني أردت أن يعلم الله سبحانه وتعالى أنني أحافظ على العلم الذي أعطاني، ولم أسلم نفسي معها للجحيم" اے والدہ! اگر میں دنیا چاہتا تو وہ حاصل کر لیتا۔ تاہم، میں چاہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ یہ جان لے کہ مجھے جو علم دیا گیا تھا، میں نے اس کی حفاظت کی اور اس کے ساتھ اپنے آپ کو جہنم کی آگ کے سپرد نہیں کیا"۔

اے علمائے کرام! کیا آپ اس بات کی تمنا نہیں کرتے کہ آپ کو وہ سعادت حاصل ہو جو آپ کے اسلاف میں سے قاضی محی الدین زکی کو حاصل ہوئی کہ جب صلاح الدین ایوبی نے بیت المقدس کو آزاد کرایا، تو محی الدین زکی نے مسجد الاقصیٰ کے پہلے خطبۂ جمعہ میں فاتح افواج اور مسلمانوں کے سامنے قرآن کی یہ آیات تلاوت کیں: **((فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ))** "تو جڑ کاٹ دی گئی ظالموں کی اور تمام تعریفیں تمام جہانوں کے رب ہی کے لیے ہیں" (الانعام: 45)۔ یہ اعزاز اسی کو حاصل ہو گا جو خلافت کے قیام کی جدوجہد کے ہراول دستے میں شامل ہو گا۔ کیونکہ یہ حضرت عمر فاروقؓ کی خلافتِ راشدہ تھی جس نے فلسطین کی بابرکت سرزمین کو اسلام کے لیے کھول دیا تھا، عباسی خلافت میں صلاح الدین ایوبی ہی تھا کہ جس نے صلیبیوں کی نجاست سے فلسطین کی سرزمین کو پاک کیا تھا اور یہ خلافتِ راشدہ الثانی ہی ہو گی جو اسے دوبارہ آزاد کرائے گی۔

کیا ہم نے پیغام نہیں پہنچا دیا؟، اے اللہ! گواہ رہنا کہ ہم نے پیغام پہنچا دیا!

اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ "بے شک، عبادت کرنے والوں کے لئے اس (قرآن) میں (اللہ کے احکام کی) تبلیغ ہے" (الانبیاء، 21:106)

#ArmiesToAqsa

21 جمادی الاول 1445 ہجری — **حزب التحریر**

5 دسمبر 2023 عیسوی — **ولایہ پاکستان**

فہرست

حقوق نسواں سے لے کر مابعد جنسیت تک (حصہ دوئم)

مشتاق محمود، پاکستان

نسائیت کی پہلی لہر (انیسویں صدی کا اواخر):

عورتوں کو یکساں معاشی حقوق کے ساتھ ساتھ سیاسی حقوق دیئے جانے سے بھی انکار کیا گیا۔ خود سیاست میں حصہ لینے کے لیے امیدوار کے طور پر کھڑے ہونا تو درکنار عورتوں کو سیاسی راہنماؤں کے انتخابات میں اپنی رائے دینے کا بنیادی حق بھی نہ دیا گیا۔ اس چیز نے بنیادی طور پر نسائیت کی پہلی لہر کو جنم دیا۔ عورتوں نے یہ احساس کیا کہ جب تک وہ سیاسی معاملات میں اپنی شمولیت کو یقینی نہیں بنائیں گی، تب تک اپنے اکثر حقوق سے محروم ہی رہیں گی۔ لہٰذا جب امریکہ میں 1869ء میں آئین کی پندرہویں ترمیم منظور ہوئی جس میں سیاہ فام اور افریکی نژاد امریکی شہریوں کو بھی ووٹ کا حق دے دیا گیا لیکن اس کے باوجود عورتوں کو اس میں نہ شامل کیا گیا تو حقوق نسواں کی علمبردار چند عورتوں نے مل کر نیشنل ویمن سفرج اسوسی ییشن (National Woman's Suffrage Association) تشکیل دی۔ انگریزی لفظ سفرج (suffrage) دراصل لاطینی زبان سے ماخوذ ہے جس سے مراد ووٹ دینے کا حق ہے۔ اس وقت تک مزدوروں کی لیبر یونیینز (labour unions) قائم ہو چکی ہوئی تھیں اور ان کے بعد کارل مارکس کا کمیونسٹ مینیفیسٹو (Communist Manifesto) بھی 1848ء میں آچکا تھا جس سے ان کوششوں کو تقویت ملی تھی اور ایک نظریاتی بنیاد فراہم ہوئی تھی، تو عورتوں نے جانا کہ ان کے لیے بھی اپنے اس بنیادی حق کے لیے باقاعدہ تنظیم بنا کر جدوجہد کرنا ناگزیر ہے۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے مختلف ممالک میں تنظیمیں قائم ہوئیں جن میں سے بعض بین الاقوامی بھی تھیں۔

لیکن ایسا نہیں ہوا کہ عورتوں کے مطالبات سامنے آئے اور منظور کر لیے گئے بلکہ ان کی اس تحریک کے خلاف خوب پراپیگنڈہ کیا گیا۔ 1880ء کی دہائی میں اخبارات اور جرائد میں مضامین لکھ لکھ کر عورتوں کی سفرج تحریک کے

خلاف بدگمانی پیدا کی گئی اور مختلف دلائل سے اس کو رد کرنے کی کوشش کی گئی۔ اختلاف کرنے والوں کی جانب سے نجی اور سرکاری سطح پر اس کے رد میں تنظیمیں اور ادارے قائم ہوئے جنہیں اینٹی سفرجسٹ تحریکیں (anti-suffragist movements) کہا جاتا ہے۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ عورتوں کو ووٹ دینے کی ضرورت ہی کیا ہے، وہ سیاست کا کام مردوں پر چھوڑیں اور خود بس گھر کے کام کاج سنبھالیں۔ بالآخر عورتوں کو اپنے حقوق کے لیے باقاعدہ ہتھیار اٹھانے پڑے یہاں تک کہ وہ اپنی تنظیموں سے منسلک مسلح گروہ بھی تشکیل دینے پر مجبور ہوئیں۔ جو مرد، عورتوں کے لیے اس حق کے خواہاں تھے ان میں سے بعض لوگ ان سفرج تنظیموں کا حصہ بھی بنے۔ مظاہروں کے دوران جب حقوق کا مطالبہ کرنے والی بعض عورتوں کو گرفتار کیا جاتا تو ان کے ساتھ جیل میں باقی قیدیوں کی نسبت کڑا سلوک کیا جاتا۔ انہیں ملاقاتوں کی اجازت نہ دی جاتی اور نہ ہی کوئی خط لکھنے کی اجازت۔ بالآخر امریکہ نے 1920ء میں اپنے آئین میں انیسویں ترمیم کے ذریعے عورتوں کو ووٹ دینے کا حق دے دیا۔ یوں امریکہ میں عورتوں کو تنظیمیں بنانے سے لے کر یہ حق حاصل کر لینے تک پچاس سال کا عرصہ لگا اور یہ کہنا حرف بہ حرف درست ہو گا کہ انہیں یہ حق باقاعدہ "لڑ" کر حاصل کرنا پڑا۔ بعض مغربی ممالک میں اور بھی زیادہ وقت لگا، مثلاً فرانس میں عورتوں کو ووٹ دینے کا حق 1944ء میں ملا اور سوئٹزرلینڈ میں 1971ء میں۔ جبکہ عورتوں کی مردوں کے برابر اجرتیں برطانیہ میں 1970ء میں اور امریکہ میں مکمل طور پر 1972ء میں قرار دی گئیں جبکہ اکثر یورپی ممالک میں اس کے بھی بعد۔ اور یہ بھی بآسانی نہیں ہوا بلکہ یہ اکثر ممالک میں عورتوں کی جانب سے ہڑتالوں کے ذریعے اپنا کام بند کر کے حکومتوں کو اس کے لیے مجبور کرنے پر ممکن ہوا۔

نسائیت کی دوسری لہر (بیسویں صدی کا وسط):

شخصی آزادی کے باوجود بیسویں صدی کے وسط تک بھی عورت کو مردوں کے مقابلے میں ابھی تک یکساں معاشی حقوق میسر نہ آئے تھے۔ ان کی اجرتیں ابھی تک مردوں سے کم تھی۔ البتہ عورت کو اس کے جنسی تعلقات میں ضرور آزادی دے دی گئی تھی اور اس بات کو حقوق نسواں سے تعبیر کیا گیا۔ اس کا ایک جنسی شے کے طور پر استحصال کیا گیا اور سرمایہ دار طبقے نے اپنی فیشن انڈسٹری کے ذریعے اس سے بھاری سرمایہ کمایا۔ عورتوں اور مردوں کے باہمی بے جا

اختلاط کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ ڈرامہ نگاروں نے ڈرامے تحریر کر کے عورتوں کی جنسی آزادی کے تصور کو مزید اجاگر کیا جنہیں پھر لوگوں کے سامنے تھیٹرز (theaters) میں سٹیج پر پرفارم کروایا جاتا۔ رسائل، اخبارات اور جرائد نے اس سے متعلق مضامین تحریر کیے۔ یوں مغرب کی عورت کا ایک نیا تصور وجود میں آیا۔ مرد اور عورت کے درمیان آزادانہ جنسی تعلقات کو معمول کی بات قرار دیا گیا۔ مفکرین اور فلسفیوں نے بھی مرد و زن کے آزادانہ اختلاط اور جنسی تعلقات پر فکری اور مثبت پہلوؤں کو اجاگر کیا اور اس کو فلسفیانہ انداز میں پیش کیا۔

لہٰذا 1926ء میں مشہور برطانوی فلسفی برٹرینڈ رسل (Bertrand Russell, 1872-1970 CE) اپنی کتاب میں، جس کا عنوان ہے "تعلیم، خاص طور پر ابتدائی بچپن میں" جنسی معلومات کو بچپن ہی سے عام کرنے کے حق میں لکھتا ہے: "یہ بات لازم ہے کہ مباشرت کو شروع سے ہی ایک فطری، پسندیدہ اور شاندار چیز کی حیثیت سے سمجھایا جائے۔۔۔ عورتوں کو جنسی معلومات حاصل کرنے کا اسی طرح حق ہے جس طرح مردوں کو ہے ۔۔۔ جنس کی محبت کی تعلیم ایک اساسی چیز ہے۔ (مردوں کی جانب سے) غیرت کا معاملہ درست نہیں جو چند مخصوص حقوق پر خواہ مخواہ کا اصرار ہے۔ بلکہ غیرت ایک المیہ ہے اور ان افراد (یعنی عورتوں) پر ظلم ہے جو غیرت کا ہدف بنتے ہیں"۔ ("On Education, Especially in Early Childhood", 1926)

رسل 1954ء میں ایک اور کتاب "انسانی معاشرے کی اخلاقیات اور سیاست" میں شادی شدہ مرد و خواتین کے لیے جنسی بدکاری (adultery) کے حق میں بات کرتے ہوئے لکھتا ہے: "نیویارک اسٹیٹ کے اندر جہاں زنا کو ایک جرم سمجھا جاتا ہے، اس کی سزا قید مقرر کی گئی۔ یہاں پر کوئی مؤثر تحریک کھڑی نہیں ہوئی جو اس قانون کو بدل سکے ۔ بہت سارے لوگ کہتے ہیں کہ اس قانون سے کوئی خطرہ نہیں جس کو لاگو نہیں کیا جاتا۔ لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے۔۔۔ یہ بات درست ہے کہ اس قانون پر بالعموم عمل درآمد نہیں ہوتا لیکن اس سے یہ ممکن ہے کہ کسی شریک حیات کو جوش آجائے اور اس کی انتقامی روح بھڑک اٹھے۔۔۔"۔ ("Human Society in Ethics and Politics", 1954)

آغاز میں تو مرد وزن کے مابین آزادانہ جنسی تعلقات محبت کے نام پر استوار کئے گئے، اور مرد اور عورت کے ملاپ میں رکاوٹ پیدا کرنے کو محبت کی راہ میں رکاوٹ قرار دیا گیا۔ لیکن پھر نوبت یہاں تک آپہنچی کہ مصنفین اور مفکرین نے اس بات پر زور دیا کہ مرد اور عورت کے درمیان جنسی تعلق کا مقصد صرف اور صرف شہوت کی تسکین تک محدود ہو اور اس تعلق میں کسی حقیقی محبت یا دیرپا رشتے کا شائبہ تک نہ ہو۔ لہٰذا فرانسیسی مصنف پال ایڈمز (Paul Adams, 1862-1920 CE) 1907ء میں اپنی کتاب "محبت کی اخلاقیات" میں محبت کی بنیاد پر قائم کردہ آزادانہ جنسی تعلق پر تنقید کرتے ہوئے لکھتا ہے: "یہ سب (محبت کی باتیں)، کھوکھلے الفاظ کے ذریعے، ایک سادہ سے جسمانی ملاپ کی صحت مند خواہش کو چھپانے کے لیے ہے، وہ خواہش جو ایک قدرتی اور معصوم بھوک (appetite) کا نتیجہ ہے۔ لاطینی (یورپی) قوموں میں یہ ایک بہت بڑی برائی ہے کہ محبت کرنے والے کھلم کھلا اور صاف صاف اپنی شہوت پرستی اور جنسی تعلق کا لطف اٹھانے کے مقصد کا اعتراف کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ پرانے زمانے کے ادب کی بیکار باتوں سے متاثر، ہمارے چہروں کے یہ مضحکہ خیز نقاب، ہماری خوبصورت جبلتوں کو بہت ناخوشگوار طریقے سے چھپادیتے ہیں"۔ اس کے بعد وہ نوجوانوں کو مشورہ دیتا ہے: "عقلمند اور ہوشمند بنو! اپنی خواہشات کی پیروی کے لیے کوئی ایک مندر نہ تعمیر کرو (کہ کسی ایک کے ساتھ ہی جڑ کر رہ جاؤ)، نہ ہی ان خواہشات کے قدموں میں سستی کے ساتھ سوتے رہو (کہ ان سے غافل ہو جاؤ)، بلکہ لذت کے ہر لمحے کے لیے ایک نئے مہمان کا انتخاب کرو (یعنی ہر بار ایک نیا ساتھی چنو)" ("The Morality of Love", 1907 CE)۔

اس سلسلہ میں سوشلسٹ بھی پیچھے نہ رہے۔ انہوں نے نظریاتی طور پر ثابت کیا کہ ان کا فلسفہ ارتقاء (جو ڈارون سے ماخوذ تھا) سرمایہ داریت کے مقابلے میں عورت کی "آزادی" کو کہیں زیادہ یقینی بناتا ہے۔ لہٰذا جرمنی کی سوشل ڈیموکریٹک پارٹی کا بانی اور دو دہائیوں تک رہنے والا اس کا چیئرمین، فرڈیننڈ ببیل (Ferdinand Bebel, 1840-1913 CE) اپنی کتاب "سوشلزم میں خواتین" میں شادی کے ادارے کے بارے میں لکھتا ہے: "مرد اور عورت محض حیوان ہیں۔ کیا حیوانات کے درمیان شادی کے ایک ناقابل تحلیل بندھن کا کوئی سوال ہو سکتا ہے؟" ("Women under Socialism", 1904 CE)۔ وہ شخص جس کا حیا وعفت جیسی اخلاقی

اقدار ختم کرنے میں بہت بڑا اثر تھا اور جس نے تاریخ اخلاق کے اندر ایک گہرے بحران کا آغاز کیا، وہ آسٹریا کا ماہر نفسیات سگمنڈ فرائڈ (Sigmund Freud, 1856-1939 CE) تھا جس نے یہ فلسفہ پیش کیا کہ انسان کے تمام طرز عمل کے پیچھے محرک قوت اس کی شہوت اور جنسی خواہشات ہوتی ہیں۔ اس نے 1923ء میں لکھی جانے والی اپنی کتاب میں اس فلسفے کا اظہار کیا۔ فرائڈ بھی ایک ڈارونسٹ (Darwinist) تھا۔ چونکہ انسان ایک حیوان ہی کی ترقی یافتہ صورت ہے اور حیوانات کی جبلتوں میں سے جنسی جبلت کو ایک نمایاں حیثیت حاصل ہے، اس بنیاد پر فرائڈ اس نتیجہ پر پہنچا کہ انسان کے اعمال کا محرک اس کی جنسی جبلت سے اٹھنے والی خواہشات ہوتی ہیں اور ذہنی دباؤ جیسے نفسیاتی امراض کی اصل وجہ ان خواہشات کے آگے کسی قسم کی مذہبی، سماجی یا قانونی قدغن کا لگایا جانا ہے۔ لہٰذا انسان کی نفسیات کے پھلنے پھولنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ انسان کی اس جبلت کو کھلا چھوڑ دیا جائے بالکل جس طرح ایک حیوان کی جبلت کو کھلا چھوڑ دیا جاتا ہے اور وہ جب اور جیسے چاہتا ہے اسے پورا کرتا ہے۔

نسائیت کی دوسری لہر اس ماحول کے دوران بیسویں صدی کے وسط میں اٹھی۔ اس کے بنیادی طور پر دو عوامل بنے۔ ان میں سے ایک مغرب کا ہیڈونزم (Hedonism) اور انفرادیت (Individualism) کا نظریہ ہے اور دوسرا عیسائیت سے آزادی کے باوجود بھی عورت کے ساتھ روا رکھا جانے والا ظلم۔

جدید یورپ میں ہیڈونزم کے نظریے کو برطانوی فلسفی اور قانون دان جیریمی بینتھم (Jeremy Bentham, 1747-1832 CE) نے پیش کیا تھا جس نے خوشی اور لذت کے حصول کو تمام اعمال کا ہدف اور زندگی کا آخری مقصد قرار دیا۔ جب مغرب نے سیکیولرزم کو اختیار کیا تو یہ مذہب کی تخفیف اور تضحیک پر منتج ہوا جس سے مغربی معاشرے میں لادینیت اور الحاد نے اپنی جگہ بنائی۔ تب "خوشی کے حصول" پر مبنی یہ ہیڈونزم کا نظریہ ہی تھا جس نے زندگی کے مقصد کے طور پر "خدا کی خوشنودی کے حصول" کی جگہ لی۔ اس کے ساتھ انفرادیت (individualism) کا نظریہ ہے جس کے مطابق معاشرے کے مقابلے میں اصل اہمیت فرد کو حاصل ہے۔ یہ نظریہ لبرلزم (liberalism) کے فلسفے کا بنیادی حصہ ہے جسے مغرب پہلے ہی اپنا چکا تھا۔ ہیڈونزم اور انفرادیت کے تصورات نے مل کر خود غرضی (selfishness) اور خود مرکزیت (self-centeredness) پر مبنی ایک

ایسا تصور پیش کیا جس میں ایک شخص کی ذاتی خوشی باقی تمام لوگوں اور معاشرے سے کہیں بڑھ کر اہم ہے اور ایک شخص کی زندگی کا محور صرف اور صرف وہی شخص خود ہوتا ہے۔ پھر سرمایہ دارانہ نظام اور شخصی آزادی مل کر ایک ایسا ماحول پیدا کر رہے تھے جس میں دولت، شہرت اور جنسی آزادی خوشی کے حصول کے وسائل قرار پائے تھے اور یہ کہ یہ انہی مادی چیزوں کا حصول ہی تھا جس سے انسان اپنے لیے خوشیاں سمیٹ سکتا تھا۔ ان تمام تصورات سے عورت کو مجموعی طور پر یہ سبق حاصل ہوا کہ اگر وہ بھی اس حقیقی خوشی کا حصول چاہتی ہے، جو کہ اب اعمال کا محرک اور زندگی کا مقصد بن چکا ہے اور جس کو وہ معاشرہ خوشی قرار دے رہا ہے، تو اسے انفرادیت کو اپناتے ہوئے عورت کو سونپی گئی گھریلو ذمہ داریوں سے چھٹکارا حاصل کر کے آزاد ہونا ہوگا۔

دوسرا یہ کہ اس سب کے ساتھ ساتھ عورت اپنے ساتھ برتا جانے والا امتیازی سلوک اب بھی دیکھ رہی تھی اور اس کے باعث احساس محرومی کا مزید شکار ہو رہی تھی۔ یہ وہ سلوک تھا جس کا سلسلہ قدیم یونان اور عیسائیت سے ہوتے ہوئے اب سرمایہ داریت میں بھی مختلف صورتوں میں جاری و ساری تھا جس میں عورتوں کو دہائیوں کی جدوجہد کے بعد بالآخر لڑ کر ووٹ دینے کے حقوق حاصل ہوئے تھے جبکہ ان کی اجرتیں اب بھی مردوں کے برابر نہ تھیں۔

یہ دونوں عوامل مجموعی طور پر نسائیت کی اس دوسری لہر کے اٹھنے کا موجب بنے جو پہلے سے کہیں زیادہ شدید تھی۔ اس میں عورت کے بنیادی کردار کو معاشرے میں اس کے مرد سے پیچھے رہ جانے اور اپنے لیے خوشی حاصل نہ کر سکنے کی وجہ بتلایا گیا، وہ کردار جو وہ بحیثیت عورت انجام دیتی ہے، یعنی عورت کے حاملہ ہونے سے لے کر اس کے ماں بننے کا عمل اور پھر اس سے منسلک اس کی گھریلو ذمہ داریاں جیسا کہ نومولود بچے کی رضاعت (lactation) اور اس نازک عمر میں اس کی دیکھ بھال کے معاملات۔ لہٰذا یہ کہا گیا کہ دراصل عورت کا یہ گھریلو اور ماں (motherhood) والا کردار ہی ہے جو ایک طرف تو اسے اپنی ذات کے لیے اس خوشی کے حصول سے دور رکھتا ہے جس خوشی کا تصور اب مغرب میں قائم ہو چکا تھا، تو دوسری طرف یہ مرد کو موقع دیتا ہے کہ وہ اس پر حکومت کر سکے اور عورت کو اس کے حقوق سے محروم کیے رکھے۔ یوں عورت کا ماں بننا یا اس کا ماں ہونا عورت کی پسماندگی کی بنیادی وجہ قرار پایا اور مرد ایک ظالم حریف اور عورت کی اس مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھانے والے شخص کے طور پر سامنے آیا۔

نسائیت کی اس دوسری لہر کی بانی فرانسیسی فیمینسٹ فلسفی سیمن ڈی بووار(Simone de Beauvoir, 1908-1986 CE) تھی۔اس نے 1949ء میں "دوسری جنس" کے نام سے کتاب لکھی جس میں اس نے کہا کہ عورت کو معاشرے میں "دوسری "یعنی ثانوی جنس کے طور پر دیکھا جاتا ہے جبکہ بنیادی(primary) جنس مرد ہے۔یوں اسے مردوں سے کمتر سمجھا جاتا ہے۔

اس نے اس بات کی یاد دہانی کرائی کہ عورت کو مغربی معاشرے میں اب تک ہمیشہ سے دبا کر رکھا گیا ہے۔اس نے کہا کہ معروف یونانی فلسفی اور ریاضی دان پائتھیگورس(Pythagoras, d. 495 BC) نے لکھا تھا کہ "ایک خیر کا اصول ہے جس نے نظم، روشنی اور مرد کو پیدا کیا اور ایک شر کا اصول ہے جس نے افراتفری، تاریکی اور عورت کو پیدا کیا"۔اسی طرح ارسطو(Aristotle, d. 322 BC) نے یہ کہا تھا کہ عورت "چند خاص صلاحیتوں میں کمی کی وجہ سے عورت ہے "۔اسی طرح اٹلی کے مشہور عیسائی فلسفی اور قانون دان تھامس اکوئنس(Thomas Aquinas, d. 1274 CE) نے خواتین کو "نامکمل مرد"(imperfect men) اور "حادثاتی"(incidental) وجود کہا تھا۔بووار 1878ء کے برٹش میڈیکل جرنل کا حوالہ بھی دیتی ہے جس میں برٹش میڈیکل ایسوسی ایشن کا ایک رکن لکھتا ہے، "یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ حیض والی خواتین اگر گوشت کو چھوئیں تو اس سے گوشت خراب ہو جاتا ہے"۔

بووار یہ بھی لکھتی ہے کہ عورت کے ماں ہونے نے عورت کو اس کے جسم کے ساتھ سختی سے نتھی کر کے رکھ دیا ہے جیسا کہ ایک جانور ہوتا ہے، اور مردوں کے لیے اس پر غلبہ حاصل کرنا ممکن بنایا ہے۔("The Second Sex", 1949)

بووار سے متاثر ہونے والی دوسری لہر کی فیمینسٹوں میں ایک امریکی یہودی فیمینسٹ شولیمتھ فائرسٹون (Shulamith Firestone, 1945-2012 CE) کا کردار بہت اہم ہے۔فائرسٹون نے معاشرے میں مرد اور عورت کے تصادم کے تصور کو مزید بھڑکایا جس کو بووار نے پیش کیا تھا اور اس کو بہانگ دہل پھیلایا۔اس

نے1969ء میں کچھ اور فیمینسٹ عورتوں کے ساتھ مل کر ایک فیمینسٹ تنظیم قائم کی جس کا نام ریڈ سٹاکنگز (Redstockings) تھا۔ اس تنظیم کے مینیفیسٹو (manifesto) میں عورت کی مرد کے ساتھ رنجش(grudge) کو بہت واضح طور پر محسوس کیا جاسکتا ہے۔ مینیفیسٹو میں لکھا ہے:

"خواتین ایک مظلوم طبقہ ہیں۔ ہمارا ظلم ہمہ گیر ہے جو ہماری زندگی کے ہر پہلو کو متاثر کرتا ہے۔ ہمیں جنسی اشیاء(sex objects)، بچے پیدا کرنے والے جانوروں(breeders)، گھریلو ملازموں(domestic servants)اور سستے مزدوروں(cheap labour) کے طور پر استحصال کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ ہمیں کمتر مخلوق سمجھا جاتا ہے، جن کا مقصد صرف مردوں کی زندگی کو فروغ دینا ہے۔ ہماری انسانیت کا انکار کیا جاتا ہے۔۔۔ ہم مردوں کی شناخت اس ظلم کے ایجنٹوں کے طور پر کرتے ہیں۔ مرد کی بالادستی غلبہ کی سب سے قدیم اور بنیادی شکل ہے۔ استحصال اور جبر کی دوسری تمام شکلیں (نسل پرستی، سرمایہ داریت، سامراجیت، وغیرہ) مرد کی بالادستی کی ہی توسیع ہیں۔۔۔ پوری تاریخ میں طاقت کے تمام ڈھانچے مردوں کے زیر تسلط اور مردوں پر مبنی رہے ہیں۔ مردوں نے تمام سیاسی، اقتصادی اور ثقافتی اداروں کو کنٹرول کیا ہے اور اس کنٹرول کو جسمانی طاقت کے ساتھ تقویت دی ہے۔ انہوں نے اپنی طاقت کا استعمال کر کے خواتین کو کمتر مقام پر رکھا ہے۔ اس مردانہ بالادستی(male supremacy) سے تمام مردوں کو معاشی، جنسی اور نفسیاتی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ تمام مردوں نے عورتوں پر ظلم کیا ہے"۔(Redstockings Manifesto, 1969)

فائرسٹون نے کارل مارکس(Karl Marx, d. 1883 CE) اور فریڈرک اینگلز(Friedrich Engels, d. 1895 CE) کے کاموں پر روشنی ڈالی اور ان پر اس بات پر تنقید کی کہ وہ معاشرے میں قائم طبقات سے آزاد ہو کر خواتین کی پسماندہ حالت کا تجزیہ کرنے سے قاصر رہے۔ اس نے ان کے تجزیے کو وسعت دے کر خواتین کی پسماندگی کے مسئلہ تک بڑھایا۔ وہ 1970ء میں اپنی کتاب میں لکھتی ہے: "جس طرح معاشی طبقات(economic classes) کے خاتمے کو یقینی بنانے کے لیے انڈر کلاس پرولتاریہ(proletariat) کی بغاوت کی ضرورت ہوتی ہے اور ایک عارضی آمریت میں انہیں پیداوار کے ذرائع (Means of

Production) پر قبضہ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح جنسی طبقات(sexual classes) کے خاتمے کو یقینی بنانے کے لیے انڈر کلاس یعنی عورتوں کی بغاوت کی ضرورت ہوتی ہے اور انہیں تولید کے ذرائع (Means of Reproduction) پر قبضہ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے"۔("The Dialectic of Sex: The Case for Feminist Revolution", 1970)

اس کا یہ کہنا تھا کہ خواتین پر ظلم براہ راست حمل اور بچے کی پیدائش کے دوران خواتین کی صلاحیت میں کمزوری سے پیدا ہوتا ہے۔ اور اس بات سے مرد فائدہ اٹھاتے ہیں۔ لہٰذا جب تک عورتیں تولید(reproduction) کے اس عمل پر کنٹرول نہ حاصل کر لیں اس وقت تک وہ اپنے حالات کو بہتر نہیں بنا سکتیں۔ تولید(reproduction) کے عمل پر کنٹرول سے مراد اس بات کا اختیار ہونا کہ وہ ماں بننا بھی چاہتی ہیں یا نہیں۔ اسی طرح اسقاط حمل (abortion) کا اختیار ہونا وغیرہ، جو اس وقت تک مغربی ممالک میں ایک قانونی جرم سمجھا جاتا تھا سوائے اس صورت کے جس میں ماں کی جان کو خطرہ لاحق ہو۔

فائرسٹون نے اپنی تحریروں میں مابعد جنسیت (Postgenderism) کی پیشین گوئی بھی کر دی تھی جو نسائیت کی تیسری لہر کے مباحث کا بنیادی نکتہ قرار پایا۔ وہ لکھتی ہے: "حقوقِ نسواں کے انقلاب کا آخری ہدف، پہلی تحریکِ نسواں کے برعکس، نہ صرف مردانہ استحقاق (male privilege) کا خاتمہ ہونا چاہیئے بلکہ جنسی امتیاز(sexual distinction) کا خاتمہ بھی ہونا چاہیے۔ انسانوں کے درمیان عضویاتی اختلافات(genital differences) ثقافتی طور پر اب کوئی اہمیت نہیں رکھیں گے"۔("The Dialectic of Sex: The Case for Feminist Revolution", 1970)

نسائیت کی تیسری لہر(1990ء کی دہائی کا آغاز):

نسائیت کی تیسری لہر کا آغاز امریکہ میں جنسی ہراسانی(sexual harassment) کے ریاستی سطح پر پیش آنے والے ایک واقع سے ہوا جس میں 1991ء میں امریکی صدر جارج ڈبلیو بش(George W Bush) کی

جانب سے تعینات کیے گئے سپریم کورٹ کے جج پر جنسی ہراسانی کا الزام لگا تو امریکہ کی سینیٹ جوڈیشری کمیٹی جو یہ مقدمہ سن رہی تھی اس کے اس وقت کے چیئرپرسن جو بائیڈن (Joe Biden) نے حکومت کے ساتھ ڈیل کرتے ہوئے مقدمے کا فیصلہ یک طرفہ طور پر ملزم جج کے حق میں دے کر کیس برخواست کر دیا حالانکہ اس ملزم جج کے خلاف گواہیاں دینے کے لیے گواہان موجود تھے لیکن انہیں گواہی دینے کا موقع تک نہ دیا گیا۔ اس سے یہ طلب پیدا ہوئی کہ عورتوں کے ساتھ پیش والے جنسی ہراسانی کے واقعات پر بھی منظم طور پر آواز بلند کی جائے۔

لیکن فکری طور پر اس لہر نے عورت کی آزادی کے تصور کو اس حد تک وسعت دی ہے کہ ایک عقل سلیم کا حامل انسان یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ خالق کی راہنمائی کے بغیر انسان کی گمراہی کی بالفعل کوئی حد نہیں۔ نسائیت کی دوسری لہر میں عورت کی اپنے بنیادی کردار یعنی ماں اور بیوی کے کردار سے آزادی کا تصور پیش کیا گیا تھا جو کامیابی کے ساتھ مغربی معاشروں میں سرایت کر گیا تھا اور اس کا زہر ان کی تہذیب میں اب بھرپور طریقے سے جھلک بھی رہا تھا۔ لیکن اب بات بڑھتے بڑھتے عورت کی اپنی جنسی شناخت سے آزادی تک پہنچ گئی۔

نسائیت کی تیسری لہر کی روح رواں عصر حاضر کی امریکی یہودی فلسفی جوڈث بٹلر (Judith Butler, 1956-alive) ہے۔ اس نے ان بعض اصطلاحات پر تنقید کی جو فیمینسٹ استعمال کرتے رہے ہیں۔ وہ لکھتی ہے کہ تحریک نسائیت (feminism) کی پہلی اور دوسری لہروں نے غلطی کرتے ہوئے "عورتوں" کو مشترکہ خصوصیات کے ساتھ ایک مجرد (discrete) گروہ بنانے کی کوشش کی۔ جبکہ یہ طریقہ کار جنسی تعلقات کے بائنری (binary) نقطہ نظر کو تقویت دیتا ہے (جس میں مرد اور عورت دو مخصوص اور الگ صنفیں ہوتی ہیں)۔ اس نے جنس کی سماجی تشکیل (social construction of gender) کی بات کی۔ اس تصور کے مطابق سماجی ماحول میں جنسی شناخت ایسی شے نہیں جو ایک بار قدرت آپ کو دے دے اور آپ ساری زندگی کے ساتھ جڑے رہیں۔ بلکہ جنسی شناخت معاشرے سے اثر پا کر ایک فرد میں خود تشکیل پائے اور پھر یہ اس فرد کے سماجی رویوں (social behaviours) کو متحرک کرے۔

بٹلر کہتی ہے کہ جنس ایک عمل ہے(gender is a process)، جس کی ارد گرد کی ثقافت اور انفرادی پسند کے درمیان جاری تفاعل(interaction) کے ذریعے مسلسل تجدید ہوتی رہتی ہے۔ بٹلر نے ایک مضمون میں تجویز کیا کہ جنسی شناخت(gender identity) رویے(behaviour) کے ذریعے قائم ہوتی ہے۔ اس لیے(ایک فرد میں) مختلف رویوں (behaviours) کی وجہ سے مختلف جنسوں کی تشکیل ممکن ہے ("Performative Acts and Gender Constitution", 1988)۔ اور یہی دراصل مابعد جنسیت(Postgenderism) کا تصور ہے۔ یعنی ایک شخص جنس کے اعتبار سے پیدائشی طور پر صحیح اور باقاعدہ مرد ہو لیکن اس کی جنس کا کوئی اعتبار نہ کیا جائے بلکہ وہ اپنے آپ کو معاشرے میں ایسے فرد کے طور پر پیش کرے جس کی کوئی طے شدہ جنسی شناخت(gender identity) نہ ہو۔ اور معاشرتی عوامل اس کی جنسی شناخت کی تشکیل اور پھر تجدید کرتے رہیں۔ یعنی وہ ایک ایسی کشتی کی مانند ہو جو اپنے آپ کو کھلے پانیوں میں ہوا کے تھپیڑوں پر چھوڑ دے اور پھر یہ بیرونی عوامل، مثلاً ہوا اور پانی وغیرہ، اس کی سمت کا تعین کریں۔ یوں جب وہ اپنے ارد گرد کے ماحول سے اثر لیتے ہوئے کسی مرد کے ساتھ جنسی کشش محسوس کرے تو اس سے جنسی تعلق قائم کرلے اور جب کسی عورت کے ساتھ محسوس کرے تو اس سے کرلے۔ یوں معاشرتی عوامل اس کی شہوات اور جنسی خواہشات کو ابھارتے رہیں اور انہیں کے مطابق وہ اپنے اعمال کو سرانجام دیتا رہے اور انہی اعمال سے اس کی جنسی شناخت قائم اور تبدیل ہوتی رہے۔ اور یہی معاملہ ایسے فرد کے ساتھ بھی ہو جو پیدائشی طور پر عورت ہو۔ اس بات کو جنس کے مائع(fluid) ہونے سے بھی تعبیر کیا گیا ہے، یعنی جنس ایسی شے ہو جو کسی مائع کی طرح بہتی رہے یا بہنے پر آمادہ اور تیار رہے۔

اس بارے میں عصر حاضر میں ایک حیاتیاتی اخلاقیات کا ماہر (bioethicist) کنیڈین جارج ڈورسکی (George Dvorksy, 1970-alive) کہتا ہے: "دو جنسی کردار (یعنی صرف مرد اور عورت کے کردار کا ہونا) عام طور پر افراد اور معاشرے کے لیے نقصان دہ ہے۔۔۔ حیاتیاتی روانی(biological fluidity) ہونا یعنی حیاتیاتی طور پر جامد(static) نہ ہونا اور (ایک فرد کا ایک وقت میں) دو جنسوں کی نفسیات کا حامل ہونا، مستقبل

کے افراد کو شخصیت کے مردانہ اور زنانہ دونوں پہلوؤں کو تلاش(explore) کرنے کی اجازت دے گا"۔("
(The Rise of Astro-Blackness", 2008

نسائیت(Feminism) کی یہ تیسری لہر دراصل دوسری لہر کے برعکس عورت کی اپنے مخصوص کردار سے آزادی کی بجائے اپنی جنسی شناخت سے آزاد ہونے پر مبنی ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ دراصل عورت کے بنیادی کردار سے فرار کی بجائے عورت ہونے سے فرار ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ مرد کا کردار اختیار کرنے اور مرد جیسا بننے کا تعصب ہے۔ اس کے پیچھے بھی واضح طور پر تاریخ میں مغرب کا عورت سے متعلق وہی ذلت آمیز تصور اور رویہ ہے جس نے اسے اس احساس محرومی کا شکار بنایا کہ وہ عورت کیوں ہے، مرد کیوں نہیں۔ اور یوں اس میں کسی نہ کسی طریقے سے مرد بننے کا تعصب پیدا ہوا۔ لہٰذا پہلے اس نے عورت کے بنیادی کردار سے آزادی حاصل کر کے مرد جیسا بننے کی کوشش کی اور اب اس نے عورت کے جنسی تشخص کی قید سے آزاد ہو کر مرد جیسا بننے کی کوشش کی۔ یوں عورت ہونے کی وجہ سے احساس محرومی کا شکار مغرب کی عورت نے یہ سمجھا کہ اس نے مرد سے برابری یعنی جنسی مساوات(Gender Equality) کا انتہائی ہدف حاصل کر لیا، وہ ہدف جس کو حاصل کرنے پر وہ مجبور ہوئی تاکہ اسے بھی وہ عزت کا مقام حاصل ہو سکے جو مغربی معاشرے میں کم از کم تین ہزار سال پر محیط ایک طویل عرصے تک، صرف مرد کو حاصل رہا!

چند مغربی مفکرین کے اعترافات(confessions):

خلاصہ یہ کہ حقوق نسواں کے لیے اٹھنے والی آوازوں اور جنم لینے والی تحریکوں سے عورتوں کو ان کے بنیادی حقوق تو بروقت میسر نہ آئے اور ان کی فراہمی میں غیر ضروری اور پریشان کن حد تک تاخیر کی گئی، لیکن ان کی اس جدوجہد کے جواب میں معاشرے میں جنسی آزادی کا مطلق لائسنس ضرور ہر ایک کے ہاتھ میں تھما دیا گیا اور عورتوں کو یہ باور کرایا گیا کہ جیسے ان کے حقوق میں سے یہ ایک بہت اہم حق انہیں عطا کر دیا گیا ہے۔ اس سے مغرب میں کامیاب عورت کا ایک نیا تصور وجود میں آیا، جو اپنی ان تمام گھریلو اور بنیادی ذمہ داریوں اور حد بندیوں سے آزاد ہوتی ہے، جو ظالم سماج نے اس کے سر پر تھوپ رکھی ہیں۔ اب ایک کامیاب عورت وہ ہے جو شادی کے بندھن سے، ماں بننے سے اور بچوں کی

پرورش کرنے سے آزاد ہوتی ہے۔ وہ جس سے چاہے، جب چاہے اور جتنے عرصے کے لیے چاہے تعلق استوار کرتی ہے۔ وہ جو چاہے کرتی ہے اور یوں وہ اپنے نفس کی ذاتی تسکین اور مادی لذتوں کے حصول کے ذریعے اپنی زندگی کے مقصد کو حاصل کر لیتی ہے۔ یہی وہ عورت کا جدید تصور تھا جس کا پرچار مغربی لٹریچر کی ہر شکل و صورت میں ہوا۔ اسی کے گرد کہانیاں اور ڈرامے تحریر ہوئے اور ان کو اسٹیج ڈراموں میں عوام کے سامنے دکھا کر ان تصورات کو عوام میں داخل کیا گیا۔

ایسا نہیں ہے کہ مغرب کی اخلاقی گراوٹ اور اس کے یہ تلخ مظاہر کسی کے مشاہدے میں نہ آسکے اور ہر ایک سے پوشیدہ رہ گئے، بلکہ بعض مغربی دانشوروں نے ان کو گہرائی سے محسوس کیا اور شد و مد کے ساتھ ان پر اپنے غم و غصے کا اظہار بھی کیا۔ ایسے ہی دانشوروں میں سے ایک جرمن مؤرخ اور فلسفی اوسولڈ سپینگلر (Oswald Spengler, 1880-1936 CE) عورت کے اس نئے روپ پر سخت تنقید کرتا ہے جسے اس وقت کی تحریروں اور تھیٹر ڈراموں میں فروغ دیا جا رہا تھا۔ وہ 1918ء میں اپنی دو جلدوں پر مبنی کتاب "مغرب کا انحطاط" میں لکھتا ہے: "(معروف تھیٹر ڈائریکٹر) ہنرک ابسن (Henrik Ibsen, 1828-1906 CE) کے نزدیک شادی ایک بہت ترقی یافتہ ملاپ ہے جس میں دونوں فریق مکمل طور پر آزاد ہوتے ہیں۔ اسی طرح (مشہور تھیٹر ڈرامہ نگار) برنارڈ شوا (Bernard Shaw, 1856-1950 CE) کے خیال کے مطابق عورت اُس وقت تک اپنے مؤنث ہونے سے آزاد نہیں ہو سکتی جب تک وہ اپنے خاوند، بچوں، معاشرہ، قانون اور کسی بھی انسان کے لئے اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرتی رہے۔ وہ اُس وقت آزاد ہو گی جب وہ صرف اپنی ذات کا احساس کرے"۔ سپینگلر مزید لکھتا ہے: "ایک بنیادی عورت۔۔۔ ایک ماں ہوتی تھی اور اُس کی مکمل ذمہ داری، جو وہ اپنے بچپنے سے سیکھتی تھی، ماں کے لفظ میں مضمر تھی۔ لیکن ہم آج (تھیٹر ڈائریکٹر) ابسن (Ibsen) کی عورت کو دیکھتے ہیں جو دوست، گرل فرینڈ اور ساتھی ہے اور تمام جدید شہروں کے چال چلن کی حامل ہیروئن ہے جو شمال کے ڈراموں اور پیرس کے افسانوں جیسی ہے۔ یہ بچوں کی ماں کیسے ہو سکتی ہے؟"۔

پھر وہ عورت کی انفرادیت پسندی(individualism)اور اس کے نتیجہ میں بچوں کی تربیت میں فقدان کے باعث مغربی تہذیب کے مکمل طور پر زوال پذیر ہو جانے کی پیشین گوئی کرتے ہوئے لکھتا ہے: "بچوں کی اخلاقی تربیت کا مسئلہ مغرب کا حقیقی مسئلہ ہے، یہ امریکی خاتون کا مسئلہ ہے جو کسی بھی قیمت پر کسی بھی تقریب میں حاضری ترک کرنے کے لیے تیار نہیں، یہ پیرس کی معزز عورت کا مسئلہ ہے جو ڈرتی ہے کہ اس کا عاشق اُس کو چھوڑ کر چلا نہ جائے یا (تھیٹر ڈائریکٹر)ابسن(Ibsen) کی ہیروئن کا مسئلہ ہے جو اپنی ذات کے علاوہ کسی کو توجہ کے قابل نہیں سمجھتی۔ان سب کا مسئلہ ایک ہی ہے کہ یہ اپنی ذات کو اہمیت دیتی ہیں اور بچوں کی اخلاقی تربیت کا مسئلہ حل کرنے میں ناکام ہیں۔ ۔۔یہی صورت حال ہر متمدن معاشرے کی ہے۔۔۔۔جب معاشروں کا معیار اس طرح کا بن جائے تو شہری، ادب و آداب کی پستی اور تناقض کے مرحلے میں داخل ہو جاتے ہیں، وہ آبادیوں کے لیے خطرہ ہوتے ہیں اور یہ مرحلہ کئی صدیوں تک جاری رہے تو انسانی تہذیب کی عمارت کمزور ہو جاتی ہے اور مکمل طور پر مٹ جاتی ہے"۔ ("The Decline of the West", Vol-II, 1918 CE)

اسی طرح مایہ ناز امریکی مؤرخ اور فلسفی ول ڈیورینٹ(Will Durant, 1885-1980 CE)نکاح کے اصل مقصد کی درست نشاندہی کرتا ہے اور اس رواج کے ختم ہو جانے پر فکر مندی کا اظہار کرتا ہے۔وہ 1929ء میں اپنی کتاب میں لکھتا ہے: "قدیم دور کا اخلاقی قانون شادی کے ذریعے جنسی تعلقات کو محدود کرتا تھا کیونکہ نکاح سے والدین بننے کی ایسی ذمہ داری حاصل ہوتی تھی جس سے بچنا ممکن نہ تھا۔ لیکن اب جنسی تعلق اور افزائش نسل (reproduction)کے درمیان رابطہ منقطع ہو چکا ہے اور ایک ایسا موقف اپنایا گیا ہے جس کی توقع ہمارے آباؤ اجداد نہیں کر سکتے تھے، جس کے نتیجے میں مرد اور عورت کے درمیان تمام تر تعلقات تبدیل ہو رہے ہیں"۔

ڈیورینٹ مغربی معاشرے کی درست عکاسی کرتا ہے جہاں نکاح مشکل بنا دیا گیا ہے اور زنا آسان۔وہ لکھتا ہے: "شہر ایک طرف شادی کی حوصلہ شکنی کر رہا ہے تو دوسری طرف جنسی تعلق کو ابھارنے والے وسائل مہیا کر رہا ہے اور جنسی راستے ہموار کر رہا ہے۔ جنسی نشو نما پہلے کی بہ نسبت جلد مکمل ہو جاتی ہے اور اقتصادی نشو نما دیر سے مکمل ہوتی ہے۔ زرعی معاشرے کے اندر خواہش کو روکنا عملی طور پر ممکن اور معقول تھا لیکن اب یہ مشکل اور غیر فطری محسوس ہوتا

ہے کیونکہ معاشرہ صنعتی بن چکا ہے جو شادی کو عورتوں کے ساتھ ساتھ مردوں کے لیے بھی مؤخر کر رہا ہے حتیٰ کہ مرد لگ بھگ تیسویں سال کی عمر میں جا کر شادی کرتے ہیں۔۔۔ قدیم دور کی بہ نسبت ضبط نفس کی قوت کمزور ہو گئی ہے اور وہ عفت جو ایک خوبی شمار ہوتی تھی اب مذاق کا نشانہ بنتی ہے۔ وہ حیا جو خوبصورتی میں اضافہ کرتی تھی غائب ہو رہی ہے۔ شادی سے قبل تعلقات ایک عام وطیرہ بن گئے ہیں"۔ وہ اس معاشرتی برائی کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے: "غالباً ہمارے دور میں اس (معاشرتی برائی) کی زیادہ تر وجہ، مسرت بھری شادی میں غیر فطری التوا ہے، اور یہاں تک کہ شادی کے بعد کی جنسی بے راہ روی بھی زیادہ تر ازدواجی زندگی سے پہلے کی عادات کا نتیجہ ہے۔ ہم شاید (معاشرتی برائی کی) اس پھلتی پھولتی صنعت کی حیاتیاتی اور سماجی وجوہات کو سمجھنے کی کوشش کریں، اور اسے انسان کی بنائی ہوئی دنیا میں ایک ناگزیر چیز کے طور پر تسلیم کر لیں، یہی جدید ترین ذہنوں کا فیشن ایبل رویہ ہے۔ لیکن یہ بات بڑی شرمندگی والی ہے کہ ہم ان نصف ملین امریکی خواتین سے خوشی کے ساتھ راضی ہو جائیں جو (جسم فروشی کے ذریعے) اپنے نفس کو فحاشی کی قربان گاہ پر قربان کرتی ہیں، اور جبکہ ہمارے تھیٹر اور ہمارا ادب، مردوں اور عورتوں میں جنسی خواہشات کو ابھارنے کے جوش میں گمراہی کی حد تک ڈوب ہو چکے ہیں تاکہ اس سے خوب سرمایہ کمایا جا سکے۔۔۔ محسوس یہ ہوتا ہے کہ پوری دنیا نے خواہشات کو ابھارنے اور ان کا اسیر کرنے کے لیے ہر وہ طریقہ گھڑ لیا ہے، جس کا تصور ممکن ہے"۔
("The Pleasures of Philosophy", 1929 CE)

اسی طرح فرانسیسی دانشور پال بیورو (Paul Bureau, 1865-1923 CE) اخلاقی زوال کے اس پورے سفر کو بیان کرتا ہے جو فرانس نے ماضی قریب سے لے کر ابھی تک طے کیا ہے۔ وہ 1919ء میں اپنی کتاب "اخلاقی دیوالیہ پن کی جانب" تحریر کرتا ہے جس کے مقدمہ میں اس اخلاقی زوال کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے: "تین اہم برائیاں ہماری سرزمین پر پروان چڑھی ہیں، اور فرانس کا بڑا مرض کہلاتی ہیں؛ مطلق جنسی آزادی (sexual license)، شراب نوشی، اور ایک مرکزی اتھارٹی قائم کرنے کی طاقت کا فقدان جو ملک کے اجتماعی مفادات کا دفاع کرنے کے قابل ہو۔ ان برائیوں کے ساتھ بہت سے لوگوں نے اپنے آپ کو منسلک کیا ہے اور باہمی تفاعل سے ان کے بڑھنے میں حصہ لیا ہے۔ اس سے برائیوں کو پیدا ہونے اور برقرار رہنے میں مدد ملی ہے۔۔۔ ان

برائیوں کا مرکب نہایت وسیع ہے اور اس کے مظاہر متعدد اور متنوع(diverse) ہیں۔ ان سماجی اداروں (social institutions) کی تعداد، جن کی اناٹومی اور ٹشوز میں اس (مرض) نے ترمیم کی ہے، بہت بڑی ہے"۔("Towards Moral Bankruptcy", 1919 CE)

مغرب کے ان دانشوروں کی اخلاقی زوال سے متعلق یہ تشویش بجا تھی۔ ان کی جانب سے اخلاقی بگاڑ کی اس شدت کو معاشرے کے لیے زہر قاتل سمجھا جانا کوئی توہمات پر مبنی نہ تھا بلکہ مغرب کی صورت حال بعینہ اس کی تصدیق کر رہی تھی۔ سماج کے جن گوشوں کو اس نے تباہ کیا، ان میں سے ایک گوشہ معصوم بچوں کی دنیا کا بھی ہے۔ کھلی جنسی بے راہروی کے اس ماحول کے جو منفی اثرات معصوم بچوں پر مرتب ہوئے، ان کی ہولناکی کا اندازہ ان واقعات سے لگایا جا سکتا ہے جن کا تذکرہ ایک امریکی سماجی کارکن اور حقوق نسواں کی علمبردار ڈاکٹر ایڈتھ ہوکر (Edith Hooker, 1879-1948 CE) نے کیا ہے۔ وہ 1921ء میں لکھی جانے والی اپنی کتاب "جنسی تعلقات کے قوانین" میں بچوں کے درمیان بڑھنے والی جنسی سرگرمیوں کے پیش نظر، جنسی تعلیم (sex education) کی ضرورت پر زور دینے کے بعد لکھتی ہے: "یہ بدقسمتی کی بات ہے کہ مائیں وسیع پیمانے پر ان خطرناک حالات کو نہیں جانتیں جو پانچویں اور دسویں سال کے درمیان کے بچے کو درپیش ہوتے ہیں۔۔۔ یہاں تک کہ سب سے زیادہ مہذب اور امیر گھرانوں میں بھی سات یا آٹھ سال کے چھوٹے بچوں کا کوئی ایسا عاشق (lover) ہونا کوئی غیر معمولی بات نہیں جو ان کا ہم عمر ہوتا ہے اور جس کے ساتھ ان کی مباشرت بھی ہو جاتی ہے، اور بعض اوقات دوسروں کی موجودگی میں بھی۔ ایک کیس جو مصنف کی توجہ میں آیا، وہ سات سال کی ایک چھوٹی سی لڑکی کا تھا جس کا تعلق ایک بہترین گھرانے سے تھا جس نے اپنے بڑے بھائی اور ان کے کئی دوستوں کے ساتھ مباشرت کی تھی۔ دوسرا کیس پانچ بچوں کے ایک گروپ کا تھا، دو لڑکیاں اور تین لڑکوں کا، جو ایک مہذب اور تعلیم یافتہ ترین (aristocratic) محلے میں ایک دوسرے کے قریب رہتے تھے، جو بار بار ایک دوسرے سے مباشرت کرتے تھے اور دوسرے بچوں کے سامنے اس پر فخر کرتے تھے۔ ان میں سب سے بڑا بچہ دس سال کا ایک لڑکا تھا"۔("The Laws of Sex", 1921 CE)

جن مغربی دانشوروں نے ان سنگین حالات کے پیش نظر کوئی آہ وبکا کی بھی ہے، وہ بھی اس بگڑتی ہوئی صورتحال کو بدلنے کے لیے کوئی مستقل حل دینے میں ناکام رہے ہیں۔ انہیں ماضی کی جانب پلٹنے کی بھی کوئی آرزو نہیں کیونکہ ان کا ماضی بھی کسی اعتبار سے دلکش نہیں، بلکہ وہ تو ایک ایسے بھیانک خواب کی مانند ہے جس سے اب وہ بیدار ہو چکے ہیں اور اب اس کے بارے میں سوچتے ہوئے بھی انہیں خوف آتا ہے۔ لیکن جس سمت کی جانب اب وہ گامزن ہیں وہ بھی ایک ایسی دہکتی ہوئی آگ کے الاؤ کی مانند ہے، جس کی مسلسل تیز ہوتی ہوئی حرارت ان کے جسموں کو پگھلا رہی ہے اور بعید نہیں کہ کب انہیں مکمل طور پر راکھ کر ڈالے۔ ایک ایسی مایوس کن صورتحال ہے کہ جس سے بچنا بھی ان کے لیے ممکن نہیں اور بظاہر اس سے نکلنے کا بھی انہیں کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔ یہ بے یقینی کی فضا خود ان کی اپنی تحریروں سے بھی عیاں ہے۔ ڈیورینٹ شدید مایوسی کی حالت میں لکھتا ہے:

"ہماری اخلاقی زندگی کو خطرہ لاحق ہے، اور ہماری فکری زندگی قدیم رسوم ورواج اور عقائد کے بکھرنے کے نتیجہ میں تیزی اور وسعت اختیار کر رہی ہے۔ ہمارے خیالات اور ہمارے اعمال میں ہر چیز نئی اور تجرباتی ہے۔ اب مزید کچھ بھی ثابت شدہ یا یقینی نہیں ہے۔۔۔ ہماری ہر شے کی صورت (پہلے کی نسبت) تبدیل ہو چکی ہے،۔۔۔ (جیسا کہ) ہمارے جنسی تعلقات میں ہونے والی اختراعات (innovations)، اور ہماری روحوں کی سخت مایوس کن حالت۔ زراعت سے صنعت تک، گاؤں سے قصبے اور قصبے سے شہر تک کے سفر نے سائنس کو بلند کیا، فن کو زوال پذیر بنایا، فکر کو آزاد کیا، بادشاہت اور اشرافیہ کا خاتمہ کیا، اور جمہوریت اور اشتراکیت کو جنم دیا، عورت کو آزاد کیا، (لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس سفر نے) شادیوں میں خلل ڈال دیا، پرانے اخلاقی ضابطوں کو توڑ دیا، عیش و عشرت کے ذریعے زہد و تقویٰ (asceticism) کو تباہ کر دیا، پیوریٹن ازم (خدا کی خوشی کے حصول کو) کو ایپیکیورین ازم (اپنی ذاتی خوشی کے حصول) سے بدل دیا،۔۔۔ جنگ کو کم لیکن زیادہ خوفناک بنا دیا، ہمارے بہت سے مذہبی عقائد ہم سے چھین لیے جو ہمیں پیارے تھے، اور بدلے میں ہمیں ایک خودکار (mechanical) اور جبری (fatalistic) زندگی کا فلسفہ دیا۔ تمام چیزیں حرکت میں ہیں (اور بہہ رہی ہیں)، اور ہم اس بہاؤ میں لنگر انداز ہونے کا مقام اور استحکام تلاش کرنے سے قاصر ہیں"۔ ("The Pleasures of Philosophy", 1929 CE)

پوری تاریخ انسانیت میں گمراہی, بد بختی اور بے سکونی کی ایسی مثال نہیں ملتی جو موجودہ مغربی تہذیب اس وقت پیش کر رہی ہے۔ خاندانی نظام درہم برہم ہو کر رہ گیا ہے۔ بچوں کی تربیت مفقود ہے۔ نوجوانوں میں جنسی بے راہ روی عام ہے۔ ناجائز بچوں اور سنگل پیرنٹس (single parents) کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ جنسی بدکاری (adultery) اور ہم جنس پرستی (homosexuality) عام ہے۔ شرافت، حرمت اور حیاء کا جنازہ اٹھ چکا ہے۔ زندگی میں لامقصدیت کا احساس لوگوں میں سرایت کر رہا ہے اور اس کی بدولت ڈپریشن، منشیات اور خود کشیاں تیزی کے ساتھ بڑھ رہی ہیں۔

(جاری ہے۔۔۔)

فہرست

سوال وجواب: جمہوری انتخابات پر نظر رکھنے میں شمولیت پر حکم شرعی

(عربی سے ترجمہ)

ہاشم بنی بکر کی جانب

سوال:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ؛

میں پارلیمانی انتخابات پر نظر رکھنے میں شمولیت پر دلائل کے ساتھ حکم شرعی جاننا چاہتا ہوں، بارک اللہ فیک

سوال پر ووضاحت: کام کی نوعیت کا تعلق گنتی یا انتخابات کو منظم کرنے سے نہیں بلکہ خبروں اور اعداد وشمار کے ساتھ ہے۔

جواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

آپ جانتے ہیں کہ آجکل منعقد ہونے والے پارلیمانی انتخابات شریعت کی رو سے جائز نہیں کیونکہ موجودہ نظاموں کے تحت، چاہے وہ صدارتی ہوں یا پارلیمانی، یہ ایک ایسے ملک میں قانون سازی پر انتخابات ہوتے ہیں جہاں شریعت سے حکمرانی نہیں کی جاتی۔ لہٰذا ان میں شامل ہونا یا ان کے انعقاد میں مدد کرنا یا ووٹ ڈالنے کیلئے حوصلہ افزائی یا مدد کیلیے تشہیر کرنا جائز نہیں۔

لیکن اگر آپ کا کام ان معاملات سے متعلق نہیں، "شمولیت، انعقاد، حوصلہ افزائی اور مدد"، جیسا کہ آپ نے اپنے سوال میں بھی ذکر کیا (ووٹ کی گنتی کے اعداد و شمار کا کام)، اور میں پھر دہراتا ہوں کہ یہ چار معاملات (شمولیت، انعقاد، حوصلہ افزائی اور مدد) نہیں ہیں بلکہ صرف حساب کتاب سے تعلق ہے، اس معاملے میں مجھے یہ حرام نظر نہیں آتا لیکن سوال یہ ہے کہ: کیا آپ یہ ضمانت دیتے ہیں کہ یہ حساب کتاب کا کام کسی بھی طرح ان چار معاملات سے گڈ مڈ نہیں ہوگا؟ بحر حال، اگر آپ یہ ضمانت دیتے ہیں تو پھر یہ حرام میں شامل نہیں۔

لیکن یہ بہتر ہے کہ ایسا نہ کیا جائے تاکہ اس نظام کے لوگ اسے انتخابات میں نوکری کرنے والے لوگوں کی حاضری کو شمار کرنے کیلئے نہ استعمال کریں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے اصحابؓ کئی ایسے مباح اعمال سے صرف اس ڈر سے دور رہتے تھے کہ کہیں وہ انھیں حرام تک نہ پہنچادیں۔

ایک صحیح روایت میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **»لَا يَبْلُغُ العَبْدُ أَنْ يَكُونَ مِنَ المُتَّقِينَ حَتَّى يَدَعَ مَا لَا بَأْسَ بِهِ حَذَراً لِمَا بِهِ البَأْسُ«**

"کوئی بندہ اس وقت تک متقیوں میں شمار نہ ہوگا جب تک وہ نقصان کے ڈر (کی وجہ) سے اسے نہ چھوڑ دے جس میں کوئی نقصان نہیں"۔ (ترمذی نے روایت کیا اور حسن گردانا)۔

اس معاملے میں میری یہی رائے ہے، واللہ أعلم وأحکم.

آپ کا بھائی،
عطاء بن خلیل أبو الرشتة

30 جمادی الاخرة 1442ھ

12 فروری 2021ء

فہرست

سوال وجواب: اسلام میں کمپنی ایک کارپوریٹ باڈی نہیں ہے

(عربی سے ترجمہ)

ابورشید کے لیے

سوال:

ہمارے محترم شیخ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ میں آپ کے لیے کچھ سوالات اس امید پر چھوڑ رہا ہوں کہ ان کے جوابات مل جائیں گے۔ اللہ آپ کو جزائے خیر دے اور آپ کے ہاتھوں میں فتح اور طاقت عطا فرمائے۔ وہ سب کچھ سننے والا اور جواب دینے والا ہے۔

1) کمپنیاں، فیکٹریاں اور ٹریڈ مارک

ہم جانتے ہیں کہ اسلام میں کمپنیوں میں بدن کا ہونا ضروری ہے۔ اگر کوئی کمپنی ایسی فیکٹری کے قیام کے مقصد سے قائم کی گئی ہے جو مثال کے طور پر الیکٹریکل یا الیکٹرانک آلات تیار کرتی ہے اور یہ کمپنی اور اس کی فیکٹری مارکیٹ میں ایک معروف ٹریڈ مارک بن جاتی ہے، تو ایسا ہوتا ہے کہ کمپنی کے مالکان چاہتے ہیں کہ اسے بیچیں:

ا) سرمایہ دارانہ نظام کے حصص کے معاملے سے قطع نظر، کیا اسلام میں "کمپنی کی مارکیٹ میں موجودہ قیمت" (market value) نام کی کوئی چیز ہے؟

ب) جب فیکٹری فروخت کی جاتی ہے تو کیا ٹریڈ مارک کی کوئی قیمت ہوتی ہے؟

ج) کیا ٹریڈ مارک کا تعلق فیکٹری یا کمپنی سے ہے، یعنی اگر کمپنی باقی رہے اور اپنی فیکٹریوں میں سے ایک یا اپنی کوئی ایک پروڈکشن لائن بیچ دے، تو قیمت کا تخمینہ لگانے میں کس کو مد نظر رکھا جاتا ہے؟

د) کمپنی کے تحلیل ہونے کی صورت میں، ٹریڈ مارک کا کیا ہوتا ہے؟

ڈ) کمپنی کی فیکٹری میں برآمدات اور درآمدات ہوتی ہیں، اور اس پر مثلاً خام مال فراہم کرنے والوں پر واجب الادار قم ہو سکتی ہے، اس کے پاس مختلف شرائط کے تحت تاجروں کی طرف سے واجب الادار قم ہے۔ کیا فروخت کرنے سے پہلے قرضوں اور وصولیوں کو "صفر" کرنا ضروری ہے، یہ جانتے ہوئے کہ جب تک پیداوار موجود ہے، یہ ایک مسلسل عمل ہے جو ہر وقت جاری رہتا ہے؟

ر) فیکٹری بیچتے وقت ملازمین اور کمپنی کے ساتھ ان کے معاہدوں کے بارے میں کیا رائے ہے؟

2) سروس کمپنیاں

کچھ ایسی کمپنیاں ہیں جن کے قیام کے لیے بڑے سرمائے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ وہ خدمات فراہم کرتی ہیں، مثال کے طور پر، ایک سافٹ ویئر کمپنی، جو کسی آئیڈیا پر مبنی ہے، اس لیے وہ ایک یا ایک سے زیادہ پروگرام یا ایپلی کیشنز بناتی ہے اور اسے مارکیٹ میں فروخت کرتی ہے، اور یہ ایپلی کیشن (جو صرف سافٹ ویئر کوڈز ہیں جو ایک خاص کام انجام دیتے ہیں) اس کو صارفین کی ایک بڑی تعداد استعمال کرنا شروع ہو جاتی ہے۔ نتیجتاً، اس کمپنی کی اس کے مطابق مارکیٹ میں بڑی قیمت ہو سکتی ہے۔ جب ایپلیکیشن کسی دوسری پارٹی (دوسری کمپنی) کو فروخت کی جاتی ہے، تو وہ آئیڈیا اور اس کے نتیجے میں آنے والی کوڈ لائنوں کو فروخت کرتی ہے تاکہ اسے فروخت کے بعد اسے استعمال کرنے کا حق حاصل نہ ہو، اس لیے اس کی پیداوار وہی (یعنی آئیڈیا) ہے۔ اس کی ایک مثال ایک ایسی ایپلی کیشن ہے جو گاڑی کے ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے راستے کا تعین کرتی ہے اور بہترین راستے اور پہنچنے کے وقت وغیرہ کا تعین کرتی ہے، اسلام میں اس حقیقت کے متعلق کیا حکم ہے؟

جواب:

وعلیکم السلام ورحمۃاللہ وبرکاتہ

سب سے پہلے، اللہ آپ کو ہمارے لیے آپ کی نیک دعاؤں کے لیے برکت عطافرمائے، اور ہم آپ کے لیے پوری خیر کے ساتھ دعا کرتے ہیں۔

اول: آپ کے بہت سے سوالات کے جوابات دینے سے پہلے، میں یہ بتاناچاہوں گا کہ اسلام میں کمپنیاں سرمایہ دارانہ نظام کی کمپنیوں سے مختلف ہیں، اس لیے کمپنی قانونی طور پر (دو یا دو سے زیادہ کے درمیان ایک عقد ہے، جس میں وہ منافع کمانے کے حصول کے لیے مالیاتی کاروبار کرنے پر رضامند ہوتے ہیں)۔ اسلام میں کمپنی کوئی کارپوریٹ ادارہ نہیں ہے جس سے اعمال اس حیثیت سے حاصل کیے جائیں، ورنہ یہ اعمال شریعت کے مطابق باطل ہوں گے۔ بلکہ، یہ ایک مخصوص ادارہ ہے جس میں مینیجر (بدن) کی ضرورت ہوتی ہے، اور ہم نے اس معاملے کو کتاب اسلام کے اقتصادی نظام میں واضح کیا ہے، جب جوائنٹ اسٹاک کمپنیوں اور ان کے باطل ہونے پر بات کی، اس لیے ہم نے کہا ہے کہ:

"کمپنی جائیداد کے تصرف کا ایک عقد ہے۔ اس طرح، کمپنی کا استعمال کرکے جائیداد کا اضافہ ملکیت میں اضافہ ہے۔ ملکیت میں اضافہ شریعت کی طرف سے جائز تصرفات میں سے ایک ہے۔ تمام شرعی تصرفات زبانی تصرفات ہیں جو کسی فرد سے شروع ہوتے ہیں نہ کہ کسی ملکیت سے۔ ملکیت میں اضافہ اس کی طرف سے ہونا چاہیے جو تصرف کر سکتا ہے، یعنی ایک فرد اور جائیداد کی طرف سے۔۔۔

وہ اعمال جن کی ابتداء اس کمپنی سے ہوتی ہے جو کارپوریٹ باڈی پر مشتمل ہے، شریعت کی نظر میں باطل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تصرف ایک خاص فرد سے شروع ہونا چاہئے اور یہ فرد وہ ہوگا جس کے پاس تصرف کا حق ہے۔۔۔

یہ اعمال شریعت میں صرف اس فرد سے قبول کیے جاتے ہیں جو تصرف کی اہلیت رکھتا ہو اور عاقل اور بالغ ہو، اور دماغی قوت رکھتا ہو۔ کوئی بھی عمل جو اس تناظر میں نہ ہو وہ شریعت میں باطل ہے۔ تصرف کو کسی کارپوریٹ شخصیت کے سپرد کرنے کی اس طرح اجازت نہیں ہے، بلکہ اسے کسی ایسے انسان کے حوالے کیا جائے جو عمل کی اہلیت رکھتا ہو"۔ اقتباس ختم ہوا۔

دوسرے لفظوں میں اسلام میں کمپنی کا کاروبار اور سرگرمیاں خود کمپنی اور شراکت داروں سے الگ نہیں ہیں، اس لیے ایسا نہیں ہو سکتا کہ کمپنی کچھ اور ہو اور اس کی سرگرمیاں اور اعمال کچھ اور ہوں۔ لیکن آپ نے جو سوالات پوچھے ہیں ان میں سے کچھ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ مغربی کمپنیوں کی عملی حقیقت سے متاثر ہیں، جہاں ان کی کچھ سرگرمیاں ان سے الگ ہو سکتی ہیں، اس لیے، مثلاً، کمپنی نے اپنی کارپوریٹ شخصیت کو اپنی فیکٹریوں سے الگ کر دیا ہے۔ یہ شریعت کے مطابق کمپنی میں ایک ناقابل تصور معاملہ ہے۔ بلکہ شرعاً کمپنی شراکت داروں خصوصاً باڈی پارٹنر سے الگ نہیں ہے اور یہ اپنے کاروبار اور سرگرمیوں سے الگ نہیں ہے کیونکہ کمپنی کا عقد ان اعمال اور سرگرمیوں پر مبنی ہے۔

دوئم، آپ کے سوالات کے جوابات:

1) اسلام میں کمپنی اس کے نام اور جس نام سے وہ جانی جاتی ہے، وہ نہ تو بیچی جاتی ہے اور نہ خریدی جاتی ہے، لیکن شرعی طور پر شراکت داروں کے معاہدے سے اسے ختم کیا جا سکتا ہے، اور اس کے مادی اثاثے اور منافع شراکت داروں میں شراکت کی مقدار کے مطابق تقسیم ہوتے ہیں۔ پھر کمپنی ختم ہو جاتی ہے یعنی اس کا وجود ختم ہو جاتا ہے، یہ نہیں کہ اسے کسی دوسرے فریق کو فروخت کر دیا جائے، اور کمپنی اپنے نام اور اپنی صلاحیت کے مطابق باقی رہے اور اس پر ان لوگوں کا قبضہ ہو جائے جنہوں نے اسے خریدا۔ لہٰذا، کمپنی کی اپنے آپ میں کوئی مادی قیمت نہیں ہے، کیونکہ کمپنی (دو یا دو سے زیادہ کے درمیان ایک عقد ہے، جس میں وہ منافع کی نیت سے مالیاتی عمل انجام دینے پر راضی ہوتے ہیں)، یعنی اسلام میں کمپنی شراکت داری اور رکنیت ہے اور یہ نہیں کہ وہ کوئی کارپوریٹ ادارہ ہو جو اپنے مالکان سے الگ ہو جیسا کہ سرمایہ دارانہ نظام میں ہوتا ہے... جہاں تک خرید و فروخت کی بات ہے، شریعت میں یہ ممکن ہے کہ کمپنی کی

جائیداد، عمارتیں، مشینری، زمین اور پیداوار کا معیار، اور اسی طرح دیگر چیزیں، جس پر بیچنے والا اور خریدار متفق ہوں... اگر فروخت کی جاتی ہے، تو پرانی کمپنی اور اس کے مالکانہ حقوق ختم ہو کر نئے مالکان کے ساتھ ایک نئی کمپنی قائم ہو جائے گی۔

2) جسے آپ "کمپنی کی مارکیٹ کی موجودہ قیمت "(market value) یا فیکٹری کہتے ہیں اگر یہ شریعت میں جائز چیزوں سے متعلق ہو، جیسے تجارتی نشان، ٹریڈ مارک، کمپنی کی ساکھ، گاہکوں اور دیگر معاملات جو فیکٹری یا کمپنی کو اس کے اثاثوں کے مقابلے میں زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ اس صورت میں، فیکٹری کو بیچتے وقت ان عوامل کو مد نظر رکھا جا سکتا ہے، یا جب کوئی شراکت دار کمپنی کو چھوڑتے وقت اپنے حقوق کا اندازہ لگانا چاہتا ہے۔ لیکن اگر یہ ان معاملات کی وجہ سے ہو جو جائز نہیں جیسے انٹلیکچوئل پراپرٹی کے حقوق یا اس طرح کے دیگر معاملات تو ایسی صورت میں ان کو لینا جائز نہیں۔

3) اگر کسی کمپنی کے پاس تجارتی نشان یا ٹریڈ مارک ہے جسے وہ اپنی کسی فیکٹری کی مصنوعات میں لگاتی ہے، اور اس پر کمپنی کا نام نہیں ہے، بلکہ صرف نشان ہے، اگر وہ اس فیکٹری کو فروخت کرنا چاہے تو تجارتی نشان اور ٹریڈ مارک کو فیکٹری کے مطابق فروخت کر سکتی ہے، لیکن اگر تجارتی نشان اور ٹریڈ مارک پر کمپنی کا نام موجود ہو تو یہ کمپنی کی فروخت کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے۔

4) ٹریڈ مارک، جیسا کہ ہم نے ذکر کیا، مصنوعات پیدا کرنے والی کمپنی کا نشان ہے۔ اور اس کی قدر اشیاء کے معیار اور مارکیٹ میں اشیاء کے بنانے والے کی حاصل کردہ شہرت وغیرہ سے حاصل ہوتی ہے۔ اگر مصنوعات تیار کرنے والی کمپنی تحلیل ہو جاتی ہے اور پیداوار ختم ہو جائے تو کمپنی کی تحلیل کے مطابق ٹریڈ مارک بھی ختم ہو جائے گا۔ کسی کے لیے یہ درست نہیں ہے کہ وہ اپنے لیے اس کی نقالی کرے کیونکہ یہ اس کے لیے نہیں ہے۔ لیکن اگر شراکت داروں میں سے کوئی کمپنی چھوڑنا چاہتا ہے، تو کمپنی کے اثاثوں کا جائزہ لیتے وقت ٹریڈ مارک کی قدر کو مد نظر رکھا جا سکتا ہے تاکہ کمپنی کو چھوڑنے والے شراکت دار کو اس کا جائز حق دیا جا سکے۔

5) جہاں تک آپ کے سوال کا تعلق ہے: کمپنی سے منسلک فیکٹری کی برآمدات اور درآمدات ہیں، اور اس پر خام مال فراہم کرنے والوں پر واجب الادا قرض ہو سکتا ہے، اور اس کے پاس مختلف شرائط کے تحت تاجروں کی طرف سے واجب الادا رقم بھی ہوتی ہے۔ کیا بیچنے سے پہلے قرضوں اور وصولیوں کو "صفر" کرنا ضروری ہے، یہ جانتے ہوئے کہ جب تک پیداوار موجود ہے یہ عمل ہر وقت جاری رہے گا؟۔ اسلام میں فیکٹری کمپنی سے الگ نہیں ہے، بلکہ یہ اس کمپنی کا کام ہے یا اس کے ایک کاموں میں سے ایک ہے اور جس پر قرض واجب ہے وہ فیکٹری نہیں ہے کیونکہ فیکٹری کوئی خود مختار ادارہ نہیں ہے بلکہ یہ صرف مادی سرگرمی اور کام کی جگہ ہے۔ جس پر دوسروں کا قرض واجب الادا ہے یا جس پر دوسروں کا قرض ہے، وہ کمپنی ہے جس کی فیکٹری ہے یا کاروبار ہے۔ اگر کچھ بیچا جاتا ہے تو وہ آلات اور اوزار ہوتے ہیں یا ان سے متعلق چیزیں، لیکن کمپنی کے واجب الادا حقوق اور کمپنی کے حقوق کو کمپنی کے متعلقہ لوگوں کے ساتھ مل کر طے کیا جائے گا اور اس کی تحلیل کرتے وقت اس معاملے کو الگ رکھا جائے گا۔ لہٰذا شریعت میں فیکٹری کو اپنے قرضوں اور واجبات کے ساتھ فروخت کرنے کی اجازت نہیں ہے جیسا کہ سرمایہ دارانہ نظام میں ہوتا ہے۔

6) آپ کے سوال کے بارے میں: جب فیکٹری فروخت ہوتی ہے تو ملازمین اور کمپنی کے ساتھ ان کے معاہدوں کا کیا ہو گا؟، ان مزدوروں کے معاہدے کمپنی کے ساتھ ہیں کیونکہ فیکٹری کوئی انتظامی ادارہ نہیں ہے، بلکہ یہ صرف ان کے کام کی جگہ ہے یا کمپنی کے کاروبار میں سے ایک ہے۔ اگر کمپنی اس فیکٹری کو فروخت کرتی ہے جس میں وہ کام کرتے ہیں، تو فیکٹری میں ان کا کام ختم ہو جاتا ہے کیونکہ ان کی جگہ یعنی فیکٹری کی فروخت کے ساتھ وہ جگہ ختم ہو جاتی ہے۔ یہاں، کمپنی ان کو کمپنی کے کاروبار کے دیگر شعبوں میں دوسرے کام سونپ سکتی ہے جب تک کہ ان کے معاہدوں کی میعاد ختم نہیں ہو جاتی، اور وہ انہیں کام کے بغیر معاہدے کی بقیہ مدت کی اجرت بھی ادا کر سکتی ہے، یعنی وہ اس طرح کا معاہدہ بھی کر سکتی ہے، یا ان کے ساتھ اپنے معاہدے فوری طور بھی ختم کر سکتی ہے تاکہ فیکٹری کا نیا مالک ان کے ساتھ نئے معاہدے قائم کرے، اگر وہ ان ملازمین کے تجربے کی بنا پر یہ مناسب سمجھے۔ یہ سب فریقین کے معاہدے پر منحصر ہے۔ تاہم، ان ملازمین کے معاہدے کمپنی کے ساتھ میعاد ختم ہونے تک درست رہتے ہیں۔ جیسا کہ اسلام میں

معاہدے کرنا ضروری ہیں اور ایک مخصوص مدت کے لیے متعین ہونے چاہیے اور اگر تجدید نہیں کی گئی تو اس مدت کے اختتام پر ختم ہو جاتے ہیں۔

7) سافٹ ویئر اور ایپلیکیشن کمپنیوں کے بارے میں آپ کے سوال کے بارے میں، پروگرام اور ایپلی کیشنز ایسی مصنوعات ہیں جن میں منفعت ہے، اس لیے ان کی فروخت کرنا شرعاً جائز ہے، یعنی ایسی کمپنی کے لیے جائز ہے جس نے کوئی پروگرام یا ایپلیکیشن تیار کیا ہو، کہ اسے فروخت کیا جائے، یعنی کسی دوسرے فریق کو پروگرام یا ایپلیکیشن کی اصل بشمول متعلقہ معلومات اور کوڈز فروخت کرے۔ اس صورت میں، پہلی کمپنی جس نے پروگرام یا ایپلیکیشن بیچی تھی، شریعت کے مطابق اس پروگرام یا ایپلیکیشن کو اس وقت استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے جب کہ اس نے اسے اور اس کی اصلیت بیچ دی ہو، یعنی اس نے وہ آئیڈیا بیچ دیا جس پر ایپلی کیشن کی بنیاد رکھی گئی ہے اور فروخت کے معاہدے میں اس کے استعمال نہ کرنے کا عہد کیا گیا ہو۔

مجھے امید ہے کہ یہ جوابات کافی ہیں، اور اللہ سب کچھ جاننے والا اور بڑی حکمت والا ہے۔

آپ کا بھائی،

عطاء بن خلیل ابو الرشتہ

28 ربیع الاول 1444ھ

24 اکتوبر 2022ء

فہرست

سوال کا جواب: قیمت کی اقسام

(عربی سے ترجمہ)

حمید شاہین کے لیے

سوال:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ خیر وعافیت سے رہیں، ہمارے محترم امیر۔

میرا سوال قیمت کے بارے میں ہے۔ سوال اس قیمت کے بارے میں ہے جو حزب اسلامی طرزِ زندگی کے دوبارہ احیاء میں حاصل کرنا چاہتی ہے۔ کیا اسلامی طرزِ زندگی کی بحالی میں "انسانی قیمت" حاصل ہوتی ہے کیونکہ یہ ایک ایسا عمل ہے جو انسانیت کو بچالیتا ہے یا پھر اس میں "روحانی قیمت" حاصل ہوتی ہے کیونکہ اسلامی طرزِ زندگی کی احیاء کی بنیاد شرعی ہے (نہ کہ جبلّی) کیونکہ اس کا تعلق اسلام کی حکمرانی اور خلیفہ کی بیعت وغیرہ سے ہے؟ بارک اللہ فیک۔

نیز، کیا روحانی قیمت کا تعلق صرف عبادات سے ہے اور اس کے علاوہ کچھ نہیں؟

جواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

اول: جواب دینے سے پہلے قیمت سے متعلق دو پہلوؤں کو واضح کرنا ضروری ہے:

پہلا یہ کہ قیمت عمل کی نیت ہے نہ کہ عمل سے حاصل ہونے والا نتیجہ۔ قیمت روحانی ہو سکتی ہے، لیکن نتیجہ محسوس یا غیر محسوس ہو سکتا ہے۔ مثال کے طور پر، آپ جہاد کرتے ہیں اور آپ کی نیت روحانی قیمت کا حصول ہے، لیکن اس عمل کا نتیجہ ایک محسوس نتیجہ ہے، جیسے کسی ملک یا قلعے کا فتح ہونا... اور آپ دعا مانگ رہے ہیں اور آپ کی نیت روحانی قیمت کا حصول ہے لیکن اس کا نتیجہ غیر محسوس ہوتا ہے اگر اس صورت میں دعا کا کوئی بھی طریقہ نہ ہو بلکہ وہی طریقہ ہو جو شریعت نے بتایا ہے تو نتیجہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب کا حصول ہو گا۔ جیسا کہ کتاب، "حزب التحریر کے مفاہیم" میں بیان کیا گیا ہے: "... مثال کے طور پر، دعا ایک ایسا عمل ہے جس سے روحانی قیمت حاصل ہوتی ہے، اور جہاد ایک مادی عمل ہے جس سے بھی روحانی قیمت حاصل ہوتی ہے، لیکن دعا اگرچہ ایک مادی عمل ہے لیکن اس سے حاصل ہونے والا نتیجہ غیر محسوس ہوتا ہے، جو کہ ثواب ہے، حالانکہ دعا مانگنے والے کا مقصد روحانی قیمت کا حصول ہوتا ہے، جو کہ جہاد کے برعکس ہے، جس میں دشمنوں سے لڑنا شامل ہے جو ایک مادی عمل ہے جس سے ایک محسوس نتیجہ حاصل ہوتا ہے جیسے کسی قلعہ یا شہر کا فتح ہونا یا دشمن کا قتال وغیرہ، حالانکہ مجاہد کا مقصد روحانی قیمت کا حصول ہوتا ہے"۔

جہاں تک دعا کی ایک اور صورت ہے "جس کی شریعت میں کوئی حیثیت نہیں" اس سے محسوس نتیجہ حاصل ہو سکتا ہے۔ 25 اکتوبر 2014 کو ایک سوال کے جواب میں کہا گیا تھا: "... دیگر صورتوں میں دعا کے بارے میں مفاہیم میں کچھ بھی ذکر نہیں کیا گیا ہے، بلکہ یہ وہ عام احادیث ہیں جو احمد نے اپنی مسند میں شامل کی ہیں۔ ابو التوکل نے ابو سعید سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

»مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَدْعُو بِدَعْوَةٍ لَيْسَ فِيهَا إِثْمٌ، وَلَا قَطِيعَةُ رَحِمٍ، إِلَّا أَعْطَاهُ اللَّهُ بِهَا إِحْدَى ثَلَاثٍ: إِمَّا أَنْ تُعَجَّلَ لَهُ دَعْوَتُهُ، وَإِمَّا أَنْ يَدَّخِرَهَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ، وَإِمَّا أَنْ يَصْرِفَ عَنْهُ مِنَ السُّوءِ مِثْلَهَا«

"کوئی مسلمان ایسا نہیں ہے جو اللہ کو گناہ یا خاندانی رشتے توڑے بغیر پکارے، مگر یہ کہ اللہ اسے تین میں سے ایک عطا کرے گا: وہ اس کی دعا کو جلد پورا کر دے گا، وہ اسے آخرت میں اس کے لیے ذخیرہ کر دے گا، یا اس سے ملتی جلتی کسی برائی کو دور کر دے گا"۔

انہوں نے کہا: تو کیا ہم زیادہ کریں، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«اللَّهُ أَكْثَرُ»

"اللہ زیادہ ہے"

یعنی اللہ تعالیٰ پکارنے والے کو تین چیزوں میں سے ایک چیز عطا کرتا ہے۔

«إِمَّا أَنْ تُعَجَّلَ لَهُ دَعْوَتُهُ»

"یا تو اس کی دعا پوری ہو جاتی ہے"۔اور یہ ایک محسوس نتیجہ ہے۔

دوسرا یہ کہ قیمت کا موضوع فرد کی نیت سے متعلق ہے، یعنی یہ انفرادی معاملہ ہے:

1. مفاہیم کتاب میں ہم بیان کرتے ہیں کہ قیمت کا تعلق فرد کی نیت سے ہے (چاہے ہو وہ ایک عام انسان ہو یا مزدور)، جب یہ کہا گیا:

[... جہاں تک کام کی نیت کا تعلق ہے، تو ہر مزدور کے پاس کیے جانے والے کام کے لیے ایک نیت ہونی چاہیے۔ یہ نیت کام کی قیمت ہے۔ لہٰذا یہ ناگزیر تھا کہ ہر کام کی ایک قیمت ہونی چاہیے جس کا ادراک انسان کام کرتے وقت رکھتا ہے، ورنہ یہ محض فضول کام ہوگا۔

لہٰذا مسلمان کو اپنے ہر کام کی مطلوبہ قیمت کو حاصل کرنے کے لیے اپنی پوری کوشش کرنی چاہیے تاکہ وہ اس کام کو انجام دے، اور معاشرے کی بھلائی اور نشاۃِ ثانیہ میں اپنا حصہ ڈال سکے اور اس کے اپنے لیے بھی اطمینان کا باعث ہو۔

اس لیے ان قیمتوں کا انسان کی جانب سے تعین غلط ہوگا۔ بلکہ قیمتوں تعین انسان کے خالق اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی جانب سے ہونا چاہیے۔ اس لیے شریعت انسان کے لیے ان قیمتوں کا تعین کرتی ہے اور ان کے مقررہ وقت کی انجام دہی کا تعین کرتی ہے تاکہ اسی حساب سے انسان اس کو اپنا سکے۔

اس طرح معاشرے میں قیمتوں کا حصول اتنا ہی ہوتا ہے جتنا کہ اس معاشرے میں اس کی خاص ضرورت ہوتی ہے۔ یہ معاشرہ اس ہی معیار سے پرکھا جاتا ہے۔ اس بنیاد پر اسے قیمتوں کے حصول کے لیے کام کرنا چاہیے، تاکہ اسلام کے نظریہ کے مطابق اسلامی معاشرہ تیار ہو۔] اقتباس ختم ہوا۔

2. اس کا مطلب یہ ہے کہ کام کی قیمت وہ نیت ہے جس کے لیے مزدور نے کام کیا، تو قیمت کام کی نیت ہے، اور جس کی یہ نیت یا مقصد ہے وہ انسان ہے، جیسا کہ محمد، زینب، فاطمہ اور خالد، جب وہ کوئی عمل کرتے ہیں تو وہ اپنے کام سے ایک خاص قیمت حاصل کرنے کی نیت رکھتے ہیں۔ اگر محمد تجارت کرتا ہے تو وہ مادی منافع حاصل کرنے کی نیت رکھتا ہے، جو کہ ایک مادی قیمت ہے، اور اگر زینب نماز پڑھتی ہے، تو وہ ایک روحانی قیمت حاصل کرنے کی نیت رکھتی ہے۔ اور اگر فاطمہ امانت دار ہے، تو وہ اخلاقی قیمت حاصل کرنے کی نیت رکھتی ہے۔ اور اگر خالد کسی ضرورت مند کی مدد کرتا ہے، تو وہ انسانی قیمت حاصل کرنے کی نیت رکھتا ہے۔ اس طرح قیمت عمل کرنے کے لیے فرد کی نیت ہے، یعنی وہ شخص جو عمل کو حاصل کرنے کی نیت سے انجام دیتا ہے، وہ ایک انفرادی حیثیت میں ہے۔

3. یہاں، حزب کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے شباب کے درمیان ان قیمتوں کو منظم کرے، چاہے یہ قیمتیں روحانی ہوں، اخلاقی ہوں، انسانی ہوں یا مادی، تاکہ یہ قیمتیں شریعت کے احکام کے مطابق ہوں، اور حزب ان کو منظم کرنے کے لیے ضروری اسالیب اختیار کرے جو کہ شریعت کے مطابق ہو جیسے تدریس اور دلائل پر مبنی، اور اگر تدریس اور دلائل شباب کو منظم نہیں کر پاتے ہیں تو انتظامی سزاؤں کا اطلاق ہونا چاہیے تاکہ اس بات کو یقینی بنایا جا سکے کہ شباب ان قیمتوں کو احکامات کے مطابق اپنائیں جن کا اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حکم دیا ہے۔

اسی طرح ریاست کا کام یہ ہے کہ وہ ان قیمتوں کو شریعت کے احکامات کے مطابق منظم کرے اور ایک مسلمان (بطور فرد یا مزدور) کو چاہیے کہ ان قیمتوں کے حصول کے لیے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے اوامر و نواہی کے مطابق عمل کرے، ہر طرح کی قیمتوں میں جو روحانی، اخلاقی، انسانی اور مادی قیمتیں ہیں۔

یہ ریاست کا کام ہے کہ شریعت کے مطابق افراد کی قیمتوں کے ادراک کو منظم کرنے میں کردار ادا کرے، چاہے وہ قیمت روحانی ہو، اخلاقی ہو، انسانی ہو یا مادی۔ اور ان کو منظم کرنے کے لیے ضروری طریقہ کار استعمال کرے، جیسے تدریس یا شرعی دلائل، اور اگر افراد کی جانب سے ان قیمتوں کے نفاذ میں پھر بھی خلاف ورزی ہو تو اس کو درست کرنے کے لیے سزا کی ضرورت ہے، تاکہ اس بات کو یقینی بنایا جا سکے کہ افراد ان قیمتوں کو اللہ کے اوامر و نواہی کے مطابق اپنائیں۔

دوسرا، اب میں آپ کے سوال کی جانب آتا ہوں:

1۔ حاملِ دعوت جو خلافتِ راشدہ کے قیام کے ذریعے اسلامی طرزِ زندگی کے دوبارہ احیاء کے لیے کام کر رہا ہے، اپنے عمل میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو راضی کرنے کے لیے روحانی قیمت حاصل کرنے کی نیت رکھتا ہے، اور اس کا نتیجہ ایک محسوس نتیجہ ہوگا جو کہ اسلام کی شان و شوکت، فتح، طاقت اور خیر پھیلانے کی صورت میں ظاہر ہوگا، جہاں جہاں خلافت پھیلتی چلی جائے گی۔

وَأُخْرَى تُحِبُّونَهَا نَصْرٌ مِنَ اللَّهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ

"اور دوسری بات جو تم پسند کرتے ہو اللہ کی طرف سے مدد ہے اور جلدی فتح، اور ایمان والوں کو خوشخبری دے دو" (الصف 61:13)۔

2۔ قیمتوں کا ادراک ایک انفرادی معاملہ ہے، یعنی فرد سے متعلق۔ لہذا، ایک شخص روحانی، اخلاقی، انسانی یا مادی قیمت حاصل کرنے کی نیت رکھتا ہے۔ پس یہ ایک انفرادی معاملہ ہے۔ جہاں تک حزب کا تعلق ہے، اس کا کام یہ ہے کہ وہ

اپنے شباب کو منظم کرے تاکہ ان کے اعمال ضائع نہ ہوں بلکہ وہ اعمال ان قیمتوں کو شرعی احکام کے مطابق حاصل کرنے کے لیے انجام دے جائیں۔اسی طرح ریاست کا کام یہ ہے کہ وہ ان قیمتوں کو معاشرے میں شرعی احکامات کے مطابق نافذ کرے۔

مجھے امید ہے کہ یہ جواب کافی ہوگا اور اللہ سب کچھ جاننے والا اور بڑی حکمت والا ہے۔

آپ کا بھائی،

عطاء بن خلیل ابو الرشتہ

06 ربیع الثانی 1444ھ

بمطابق 31 اکتوبر 2022ء

فہرست

میڈیا پیغام: ڈنڈے کے زور پر اکثریت کی حکمرانی کے نفاذ اور قومیت پر مبنی سیاست نے بلوچستان میں انسانی، سیاسی اور سیکورٹی بحران پیدا کر دیا ہے

ولایہ پاکستان میں حزب التحریر کا میڈیا آفس

کاؤنٹر ٹیررازم ڈیپارٹمنٹ کے ہاتھوں تربت سے تعلق رکھنے والے بلوچ نوجوان بالاچ مولا بخش کی ہلاکت نے ملک بھر میں بڑے پیمانے پر غم و غصے اور احتجاج کو جنم دیا ہے۔ متاثرہ خاندان نے، متعدد دیگر افراد کے ساتھ مل کر احتجاجی دھرنا شروع کیا، جو اسلام آباد کی جانب لانگ مارچ میں تبدیل ہو گیا۔

یہ دل دہلا دینے والا واقعہ کوئی اکیلا سانحہ نہیں بلکہ موجودہ جمہوری نظام اور قومیت پر مبنی فیڈرل حکومتی ڈھانچے کی خامی کا عکاس ہے۔

موجودہ قومی ریاست کا ماڈل، جس کے ذریعے مختلف نسلی، لسانی اور علاقائی شناختوں کو ایک بندھن میں باندھا جاتا ہے، مختلف قومیتوں سے تعلق رکھنے والے افراد کو متحد رکھنے میں بری طرح ناکام ہو گیا ہے۔ یہ اس لیے کہ قومیت پر مبنی سیاست علاقائی، لسانی یا قبائلی شناخت پر معاشرے کو منظم کرتی ہے۔ یوں ایک ہی ملک میں مختلف شناخت رکھنے والے گروہ درحقیقت مختلف معاشروں کے طور پر دیکھے جاتے ہیں۔ قومی ریاست اور فیڈرل حکومتی ڈھانچہ ان مختلف ،شناختوں پر مبنی معاشروں کو فیڈرل حکومتی نظام کے ذریعے متحد رکھنے کی کوشش کرتی ہے جس میں حقوق کی ضمانت وسائل کی تقسیم، علاقائی خود مختاری اور علاقائی، لسانی یا قبائلی شناخت کے تحفظ کی ضمانت پر مختلف گروہوں کو قومی ریاست کی اتھارٹی تلے جمع کیا جاتا ہے۔ اس ریاستی ڈھانچے اور حکومتی نظام میں ہمیشہ وسائل کی تقسیم، علاقائی خود مختاری، حقوق کی ضمانت اور شناخت کے اظہار پر مختلف گروہوں کے درمیان کشمکش جاری رہتی ہے جو بگڑ کر مختلف گروہوں کے درمیان خانہ جنگی میں تبدیل ہو سکتی ہے اور یہی بلوچستان میں ہو رہا ہے۔ بالاچ مولا بخش کی ہلاکت اور

بلوچ نوجوانوں کی جبری گمشدگی درحقیقت فیڈرل نظام حکومت کی مختلف گروہوں کو متحد رکھنے کی ناکامی کے بعد ریاست کی جانب سے طاقت اور قوت کے زور پر قومی اتحاد کو قائم رکھنے کی کوشش ہے۔

، پاکستانی ریاست اپنی ناکامی کو چھپانے کے لیے جبر کے ذریعے قومی اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کر رہی ہے جس کے نتیجے میں بے گناہ مسلمانوں کی جانوں کا نقصان ہو رہا ہے اور ریاست اور بلوچ قبائل کے درمیان تصادم کے نتیجے میں دونوں اطراف پر مسلمانوں کا خون بہہ رہا ہے جو مسلمانوں کی قوت اور طاقت کو کمزور اور دشمنوں کو ہمارے خلاف ساز باز کرنے کا موقع فراہم کر رہا ہے۔

مزید یہ کہ جمہوری نظام حکومت میں اکثریت کی نمائندگی کے اصول کے تحت ان گروہوں کے حقوق کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے جن کی سپورٹ اور سیاسی نمائندگی مرکز میں حکومت بنانے یا جمہوری نظام میں قانون سازی کے لیے درکار نہیں۔ جمہوری نظام کا یہ اندازِ حکمرانی ریاست اور ان گروہوں کے درمیان خلیج کو بڑھا رہا ہے جو اپنے آپ کو اقلیت کے طور پر دیکھتے ہیں۔ بلوچستان میں علیحدگی پسند تحریک جمہوری نظام حکومت کا براہ راست نتیجہ ہے۔

یہ تسلیم کرنا ضروری ہے کہ جبر کے ذریعے حقیقی معاشرتی ہم آہنگی کو پیدا نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ممکن ہے کہ جبر کے ذریعے لوگوں کو کچھ عرصے کے لیے دبا لیا جائے لیکن یہ صورتحال عارضی ہو گی، اور اس میں پائیداری اور طوالت کا فقدان رہے گا۔ جو چیز معاشرے کو متحد کرتی ہے وہ زندگی کے بارے میں نقطہ نظر پر معاشرے کا اتفاق اور اسی نقطہ نظر سے نکلنے والے نظام کا معاشرے پر نفاذ اور پورے معاشرے کی ایک واحد شناخت ہے جو رنگ، نسل، علاقے اور قبیلے سے بالاتر ہو کر پورے معاشرے کو ایک لڑی میں پرو دے۔ کسی بھی ریاست میں اتحاد کو قائم رکھنے کے لیے اس معاشرے کی ایک اکائی ہونا ضروری ہے نہ کہ ریاست میں مختلف شناختوں پر مختلف معاشروں کے قیام کے اجازت دی جائے اور پھر ان معاشروں کو اکھٹا رکھنے کی ناکام کوشش کی جائے جیسا کہ فیڈرل نظام حکومت میں ہوتا ہے۔

بلوچستان کے مسئلے کا حل خلافت کے ریاستی ڈھانچے میں مضمر ہے، جو موجودہ نظام کی خرابیوں سے نجات حاصل کرنے کے لیے ایک یکسر متبادل حل پیش کرتا ہے۔ خلافت میں اکثریت اور اقلیت کے تصورات ریاستی امور

میں کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ خلیفہ کے انتخاب میں پوری امت حصہ لیتی ہے جبکہ خلافت میں قانون سازی انسان کے ہاتھ میں نہیں ہوتی بلکہ قرآن وسنت سے ماخوذ ہوتی ہے یوں قانون سازی میں عددی برتری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسلام کا یہ طریقہ کار کسی بھی نسل، زبان، یا علاقے کے بے جا اثر ورسوخ سے دوسرے نسل، زبان یا علاقے کے لوگوں کو تحفظ فراہم کرتا ہے۔

حقیقی سیاسی ہم آہنگی صرف اسلام کے سماجی، اقتصادی اور سیاسی نظام کے نفاذ سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ اسلام فرقہ وارانہ، لسانی اور علاقائی حدود سے بالاتر ہو کر اتحاد کے لیے ایک بے مثال قوت کے طور پر کام کرتا ہے۔

اے پاک فوج کے مخلص افسران! ہمیں اتحاد کے حصول کے لیے استعمار کی کھینچی ہوئی رنگ، نسل اور زبان کی لکیروں کی بنیاد پر آپس میں لڑائی اور مسلمانوں کے خون کو بہانے سے باز رہنا ہے۔ یہ اسلام کی خاطر اپنے بہادر بلوچ بھائیوں کے ساتھ متحد ہونے کی دعوت ہے۔ اس فرسودہ اور ناکام نظام کے لیے جانیں قربان کرنے کے بجائے، ہمیں ایک اعلیٰ اور بلند مقصد کے لیے مل کر جدوجہد کرنی ہے، یعنی فلسطین اور کشمیر میں قابض افواج سے لڑتے ہوئے اللہ کی راہ میں شہادت کا حصول۔

صحیح بخاری سے ماخوذ ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات کو یاد رکھیں: **«الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ ، وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللَّهُ عَنْهُ" مسلمان وہ ہے جو اپنی زبان اور ہاتھ سے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے سے گریز کرے، اور مہاجر وہ ہے جو سب کچھ ترک کر دے۔ "جسے اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔**

صحیح مسلم میں رسول اللہ ﷺ نے اس بات کی بھی تاکید فرمائی ہے: **»لا تَحَاسَدُوا، ولا تَنَاجَشُوا ولا تَبَاغَضُوا، ولا تَدَابَرُوا، ولا يَبِعْ بَعْضُكم على بَيْعِ بعض، وكُونوا عبادَ الله إخوانًا، المسلمُ أخُو المسلمِ لا يَظْلِمُهُ ولا يَخْذُلُهُ ولا يَكذِبه ولا يَحْقِرُه « ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، خرید وفروخت میں دھوکہ نہ دو، ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو، ایک دوسرے سے "**

منہ مت پھیرو، کسی کی بیع پر بیع مت کرو اور اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، وہ اس پر ظلم " نہیں کرتا، نہ اسے بے یار و مددگار چھوڑتا ہے، نہ اس سے جھوٹ بولتا ہے اور نہ اسے حقیر سمجھتا ہے۔

اس نازک دور میں جب امت اندرونی طور پر انتشار اور کشمکش کا شکار ہے، اور اسے بیرونی طور پر قبضے اور جبر کا سامنا ہے، ایک ایسے وقت میں خلافت کے دوبارہ قیام کے لیے آپ کی جانب سے نصرت فراہم کرنا، ہمیں اندرونی طور پر اتحاد اور یک جہتی کی طرف اور قابض قوتوں کو کچلنے کی راہ پر لے جائے گا۔ خلافت مسلمانوں کو یکجا کر کے اور آپس میں لڑائی کے فتنے کو ختم کر کے ہماری قوت کو دشمنوں کے خلاف اکٹھا کرے گی، بلوچ مسلمانوں اور تمام گروہوں کے شرعی حقوق کی ضمانت دے گی اور مسلم علاقوں میں امن اور خوشحالی لے کر آئے گی۔

فہرست

نُصرۃ

نصرۃ وہ حکمِ شرعی ہے کہ جس پر آج سیاسی طور پر امت مسلمہ کے مستقبل کا دارومدار ہے کیونکہ نصرۃ کے ذریعے ہی اُس ریاستِ خلافت کا قیام عمل میں آئے گا جو ان غداریوں اور خیانتوں کے طویل سلسلے کا خاتمہ کرے گی جس کا امت کو سامنا ہے، جو اللہ کے نازل کردہ تمام تر احکامات کے ذریعے حکمرانی کا آغاز کرے گی، پوری امت مسلمہ کو ایک ریاست کے سائے تلے وحدت بخشے گی اور دعوت و جہاد کے ذریعے اسلام کے پیغام کو پوری دنیا تک لے جائے گی۔

نصرۃ کی دلیل ہمیں رسول اللہ ﷺ کی سیرت سے ملتی ہے کہ جب مکہ کا معاشرہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے جامد ہو گیا تو اللہ سبحانہ تعالی نے آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے حکم دیا کہ آپ مختلف قبائل پر اپنے آپ کو پیش کر کے اِن کی حمایت و نصرت طلب کریں۔

پس آپ ﷺ نے ابو طالب کی وفات کے بعد مختلف عرب قبائل کی طرف رجوع کیا یہاں تک کہ مدینہ کے اوس و خزرج قبائل کے سرداروں نے اسلام قبول کرنے کے بعد آپ ﷺ کو نصرۃ دی اور اس نصرت کے نتیجے میں ہی بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد مدینہ میں پہلی اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آیا۔ اور یوں وہ رہتی دنیا تک انصار کے لقب سے پہچانے گئے۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ پاکستان کی افواج میں موجود مخلص افسران اپنے انصاری بھائیوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے خلافت کی دعوت کے علمبرداروں کو نصرۃ فراہم کریں، اس کفریہ سرمایہ دارانہ جمہوری نظام کو اکھاڑ پھینکیں اور ایک خلیفۂ راشد کو قرآن و سنت کے نفاذ پر بیعت دیں اور رسول اللہ ﷺ کی اس بشارت کے پورا کریں کہ جب آپ ﷺ نے فرمایا: **«ثُمَّ تَكُونُ مُلْكًا جَبْرِيَّةً فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ»** " پھر ظالمانہ حکمرانی کا دور ہو گا اور اس وقت تک رہے گا جب تک اللہ چاہیں گے۔ پھر اللہ اس کو ختم فرما دیں گے جب وہ چاہیں گے۔ اس کے بعد نبوت کے نقش قدم پر خلافت قائم ہو گی" (مسند امام احمد)